حکایاتِ کشف المحجوب

یونس ادیب

مطبوعات شیخ غلام علی، ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

دُنیا کی ہر قومی اور علاقائی
زبان کی روشن کتابوں کا انتخاب

نگران : شیخ نیاز احمد
مدیر مسئول : ارشد نیاز
مدیر : رب نواز ملک

مجلسِ مشاورت :
اے حمید ۔ ایم ۔ ایس ناز
محمد حنیف شاہد ۔ اشتیاق احمد

آرٹ : سلیم اختر

طابع : شیخ نیاز احمد
مطبع : غلام علی پرنٹرز ، لاہور

ادارہ :
مطبوعات شیخ غلام علی
اردو بازار ، چوک انارکلی ، لاہور

فون نمبر :
۵۴۴۰۹ ۷۱۸۵۹ ۶۳۳۰۲۰

شمارہ :
کتاب مین (KITABMAN) لاہور

بصیرت و حکمت کا انمول خزانہ

"کشف المحجوب" حضرت داتا گنج بخشؒ کی شہرہ آفاق تصنیف ہے جس میں تصوف کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ داتا صاحبؒ نے یہ کام حکایات کے ذریعے لیا ہے۔ یونس ادیب صاحب یہی حکایات آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ آغازِ کتاب میں حضرت داتا گنج بخشؒ کی سوانح حیات پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے۔

داتا صاحبؒ کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے کشف المحجوب میں تمام تر حکایات کو درج کرتے وقت کسی کتاب کا سہارا نہیں لیا۔ انہوں نے صرف اور صرف اپنی یادداشت کے جوہر آزمائے ہیں۔ ان کے انداز میں شعوری پن کی بجائے الہام کا پرتو واضح طور پر عیاں نظر آتا ہے۔ یوں بھی ان کی رُوحانی عظمت سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔

حکایات کو تین درجوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ پہلا درجہ قرآنی حکایات کا ہے۔ دوسرا ان حکایات کا جو تعلیماتِ نبوی اور اسوۂ حسنہ پر مبنی ہیں۔ تیسرا درجہ آئمہ طریقت، تابعین متاخرین اور خود حضرت داتا گنج بخشؒ کے ذاتی تجربات پر مشتمل ہے۔

کشف المحجوب کے موضوعات اگرچہ عوام کے لیے نہیں بلکہ ایسے لوگوں کے لیے مختص ہیں جو الوہیت میں گم ہیں، تاہم عام لوگوں کے لیے حکایات میں اخلاقیات، دینی اقدار، سماجی اور معاشرتی اصولوں کا ایک انمول اور نادر خزانہ مضمر ہے۔ داتا صاحبؒ نے حکایات کے ذریعے اس خزانے کو عام لوگوں کے قابل بنا ڈالا ہے۔

یونس ادیب نے ہر موضوع کے تحت حکایات کتاب میں شامل کرنے کی حتی الامکان سعی کی ہے جس میں وہ پوری طرح کامیاب نظر آتے ہیں اور اس طرح یہ کتاب روشنی سلسلے کی ایک اہم کتاب بن گئی ہے۔ ہمیں اُمید واثق ہے کہ آپ اسے دل و جان سے پڑھیں گے اور فیضیاب ہوں گے۔

سوانح حیات

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی ابوالحسن علی بن عثمان بن علی الجلابی الہجویری الغزنوی ہے۔ آپ ۴۰۰ ہجری میں غزنی میں پیدا ہوئے۔ حضرت داتا صاحب کا گھرانہ علم و فضل کے اعتبار سے غزنی کے ممتاز گھرانوں میں شمار ہوتا تھا۔ آپ کا خاندان غزنی کی نواحی بستیاں ہجویر اور جلاب میں قیام پذیر تھا۔ لہٰذا اسی مناسبت سے آپ کے اسم گرامی کے ساتھ ہجویری اور جلابی بھی لکھا جاتا ہے۔ آپ کی تربیت آپ کے والد اور ماموں جیسے اولیاء کی زیر نگرانی ہوئی جو اپنے عہد کے روحانی پیشوا تھے۔ آپ کے والد، والدہ اور ماموں کے مزارات غزنی میں آج بھی مرجع خلائق بنے ہوئے ہیں۔

آپ کو بچپن ہی سے علمی ذوق اور شوق عبادت تھا۔ آپ دنیا پرستوں اور دنیا سے دور رہے۔ شب بیداری، ذکر و فکر اور ریاضت میں مشغول و معروف رہے۔ آپ نے تحصیل علم و عرفان کے لیے کئی طویل سفر اختیار کیے۔ شام، عراق، بغداد، مدائن، ایران، قہستان، آذربائیجان، طبرستان، خوزستان، کرمان، خراسان، ماوراء النہر، ترکستان اور ہندوستان کا سفر اختیار کیا۔ ان مقامات کے علاوہ فضلا اور مشائخ کرام کی صحبتوں سے اکتساب فیض کیا اور اس عہد کے جلیل القدر صوفیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ سلسلہ جنیدیہ میں حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ ان کے علاوہ جن دوسرے بزرگوں سے آپ نے فیض حاصل کیا ان میں ابو سعید ابوالخیر اور ابوالقاسم قشیری کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آپ اپنے مرشد کے وصال کے بعد عالم شباب میں لاہور تشریف لائے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے دو دوست شیخ احمد سرخسی اور ابو سعید ہجویری تھے اور آپ کی آمد کے بعد لاہور جنوبی ایشیا میں تبلیغ اسلام کا مرکز بن گیا۔ آپ کی تصنیف کشف المحجوب کے علاوہ آپ کی حسب ذیل تصانیف کا پتہ چلتا ہے: دیوان، منہاج الدین، کتاب البیان لاہل العیان، اسرار الخرق والمؤنات، کتاب فنا و بقا، بحر القلوب، الرعایۃ بحقوق اللہ، شرح کلام منصور، بیان ایمان۔ یہ کتابیں اب نہیں ملتیں۔ آپ کی تصنیف کشف المحجوب تصوف اسلام کی قدیم ترین کتابوں میں سے ہے۔ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کا ارشاد ہے: "جس کا کوئی مرشد نہ ہو اس کے لیے کشف المحجوب مرشد ہے۔" کشف المحجوب کے اردو میں بیسیوں تراجم ہو چکے ہیں۔ انگریزی میں اس کا ترجمہ پروفیسر نکلسن نے کیا۔ عربی میں بھی اس کا ترجمہ چھپ چکا ہے۔ سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مزار اقدس پر چلہ کش ہوئے تو حضرت داتا علی ہجویری کے بے پایاں روحانی فیض سے مالا مال ہوئے اور یہ شعر ارشاد فرمایا:

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

گزشتہ نو سو سال سے صوفیہ کرام، علماء، فضلا اور تاجدار آپ کے مزار پر حاضری دیتے رہے ہیں۔ آپ کا وصال بھی لاہور ہی میں ہوا۔ آپ کا مزار پر انوار بھاٹی دروازہ کے باہر مرجع خلائق ہے۔ یہاں صبح و شام زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔ عام تذکرہ نگاروں نے آپ کی تاریخ وفات ۴۶۵ ہجری تحریر کی ہے مگر جدید تحقیق کے مطابق آپ کی وفات ۴۶۵ھ سے ۴۶۹ھ کے کسی سال میں واقع ہوئی۔

حکایات کشف المحجوب

علم اور عمل کی حقیقت

کشف المحجوب کا پہلا باب اثبات علم کے بارے میں ہے اور حضرت داتا صاحب نے علم کی فضیلت کو کلام پاک اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مقدسہ کے حوالے سے ثابت کرتے ہوئے بتایا ہے کہ علم بے حد و بے حساب ہے اور زندگی انتہائی مختصر ہے۔ اسی لیے تمام علوم کو سیکھنا لوگوں پر فرض نہیں کیا گیا مگر ان میں سے اسی قدر سیکھنا ضروری ہے جتنا شریعت سے متعلق ہے۔ لہٰذا علم اسی قدر فرض ہے جس پر عمل ہو سکے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے علم کی مذمت فرمائی ہے جو نفع رساں نہ ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے بے نفع علم سے پناہ مانگی ہے اور فرمایا ہے: "اے خدا! میں ایسے علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نفع رساں نہ ہو۔"

اسی سلسلے میں حضرت داتا صاحب فرماتے ہیں کہ حضور سے علم کے لیے بھی زیادہ عمل کی ضرورت ہے کیونکہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بے علم عابد اس گدھے کی مانند ہے جو آٹے کی ایک چکی سے بندھا ہو، ہر چند کہ وہ گدھا چلتا رہتا ہے اور دور تک جاتا ہے لیکن وہ ایک ہی جگہ پر چکر لگاتا ہے کوئی فاصلہ طے نہیں کرتا۔ حضرت داتا صاحب نے لکھا ہے کہ میں نے عام لوگوں کے ایک گروہ کو دیکھا ہے جو علم کو عمل پر فضیلت دیتے ہیں اور ایک دوسرا گروہ بھی ہے جو عمل کو علم پر افضل جانتا ہے مگر ان دونوں گروہوں کے نظریات غلط ہیں کیونکہ علم کے بغیر عمل کی کوئی حقیقت نہیں اور عمل اسی وقت عمل کہلاتا ہے جب وہ علم کے ساتھ مربوط ہو تاکہ انسان اللہ کا حکم جان کر عمل کرے اور ثواب کا مستحق بنے جس طرح کہ نماز ہے۔ اس سلسلے میں جب تک انسان کو طہارت کے ارکان کا علم نہ ہو نماز ادا نہیں ہو سکتی۔ مثال کے طور پر پانی کی شناخت کا علم، سمت قبلہ کا علم، کیفیت نیت کا علم اور ارکان نماز کا علم۔ لہٰذا جب تک ان امور کا علم نہ ہو نماز کیسے ادا ہو سکتی ہے۔ اسی طرح اس گروہ کا نظریہ بھی غلط ہے جو علم کو عمل پر فضیلت دیتا ہے کیونکہ جس علم پر عمل نہ کیا جائے وہ علم ہی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام بے عمل علماء کے گروہ میں شمار کرنے کی نفی فرمائی ہے۔ اس لیے کہ سیکھنا، حفظ کرنا اور یادداشت کو محفوظ کرنا بھی علم ہی کے زمرے میں آتا ہے اور عمل ہی کے ذریعے انسان ثواب کا حق دار بنتا ہے اور اگر عالم کی کوشش اس کے عمل سے نہ ہو تو وہ قطعاً ثواب کا مستحق نہیں۔ چنانچہ علم کو عمل سے جدا اور عمل کو علم سے جدا کرنے والوں کے بارے میں حضرت داتا صاحب فرماتے ہیں کہ "ایک گروہ تو علم کے حوالے سے لوگوں میں عزت و مرتبہ اور جاہ و حشم حاصل کرنے کا خواہشمند ہے حالانکہ اسے اس کا کوئی سروکار نہیں ہوتا اور یہ گروہ ہمیشہ علم سے بے بہرہ ہے جو عمل کو علم سے جدا کرتا ہے وہ نہ تو علم کی ہی قدر جانتا ہے اور نہ ہی عمل کی اہمیت سے آگاہ ہے۔ یہاں تک کہ بعض جاہل یہ بھی کہتے ہیں کہ علم کی نہیں عمل کی ضرورت ہے اور کوئی نادان یہ کہہ دیتا ہے کہ عمل کی نہیں علم کی ضرورت ہے۔ حالانکہ یہ دونوں غلطی پر ہیں۔"

علم اور عمل کے باہمی رشتے کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت داتا صاحب نے اس باب میں دو حکایتیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے

منسوب ہے کہ ایک مرتبہ سفر کے دوران انھوں نے ایک پتھر پڑا ہوا دیکھا جو زبانِ حال سے کہہ رہا تھا کہ مجھے پلٹ کر پڑھو۔

حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے پتھر اٹھایا اور اُسے اُلٹا کر کے دیکھا تو اس پر لکھا تھا۔ اَنْتَ لَا تَعْمَلُ بِمَا تَعْلَمُ فَكَيْفَ تَطْلُبُ مَا لَا تَعْلَمُ (جب تم اپنے علم پر عمل نہیں کرتے تو اس کو تلاش کیوں کرتے ہو جس کا تمھیں علم نہیں)

اس باب میں حضرت داتا صاحبؒ نے علم کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھا ہے علم دو طرح کے ہیں۔ ایک علم اللہ تعالیٰ کا ہے اور دوسرا علم مخلوق کا ہے۔ انسان کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں کوئی اہمیت و حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم اس کی صفت ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے اور اس کی صفات لامحدود ہیں اور انسان کا علم ہماری صفت ہے جو ہمارے ساتھ قائم ہے اور ہماری صفات محدود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "تمھیں جو علم کا حصہ دیا گیا ہے وہ تھوڑا ہے"۔

حضرت داتا صاحب بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر موجود و معدوم کو جانتا ہے اور طالب کو چاہیے کہ اس کے مشاہدہ میں عمل کرے۔ یعنی وہ یہ عقیدہ رکھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے اعمال و افعال کو دیکھ رہا ہے۔ اس حقیقت کو داتا صاحب نے ایک دلچسپ حکایت کے ذریعے بیان کیا ہے کہ

"بصرہ میں ایک رئیس رہتا تھا۔ ایک دن وہ اپنے باغ میں گیا تو باغبان کی بیوی کے حسن و جمال کو دیکھ کر حواس کھو بیٹھا۔ اس نے باغبان کو کسی کام کے بہانے باہر بھیج دیا اور اس کی بیوی سے کہا کہ دروازے بند کر دو۔ عورت نے کہا میں تمام دروازوں کو تو بند کر دوں گی لیکن ایک دروازہ میں بند نہیں کر سکتی۔ رئیس نے پوچھا وہ کون سا دروازہ ہے؟

عورت نے جواب دیا وہ دروازہ جو ہمارے اور خدا کے درمیان کھلا ہے۔

رئیس شرمندہ سا ہو کر رہ گیا اور توبہ و استغفار کرنے لگا۔

علم کے سلسلے میں ایک اور حکایت داتا صاحبؒ نے بیان فرمائی ہے اور وہ یہ ہے۔ حضرت حاتم اصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے چار علم اختیار کر لیے ہیں اور تمام عالم کے علوم سے بے نیاز ہو گیا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا وہ کون سے چار علم ہیں؟

حضرت حاتم اصمؒ نے فرمایا۔ ایک یہ کہ میں نے جان لیا ہے کہ میرا رزق مقدر ہو چکا ہے جس میں نہ زیادتی ہو سکتی ہے اور نہ کمی۔ اب میں اس زیادتی کی خواہش سے بے نیاز ہوں اور دوسرا یہ کہ میں نے جان لیا ہے کہ خدا کا مجھ پر حق ہے جسے میرے سوا کوئی دوسرا ادا نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اس کی ادائیگی میں مشغول ہوں۔ تیسرا یہ کہ میرا کوئی چاہنے والا ہے یعنی موت میری طالب ہے جس سے میں راہِ فرار اختیار نہیں کر سکتا۔ سو میں نے پہچان لیا ہے اور چوتھا یہ کہ میں نے جان لیا ہے کہ میرا کوئی مالک ہے جو مجھے دیکھ رہا ہے اور میں اس سے شرم کرتا ہوں اور نا فرمانی سے باز رہتا ہوں۔ انسان جب باخبر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے تو وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس کی وجہ سے اُسے قیامت کے دن شرمسار ہونا پڑے۔ اس باب کے آخر میں علم اور عمل کی حقیقت ثابت کرتے ہوئے حضرت داتا صاحبؒ نے حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول لکھا ہے۔ حضرت بایزید فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال تک مجاہدہ کیا لیکن مجھے علم اور اس کی پیروی سے زیادہ کوئی چیز مشکل نظر نہیں آئی۔

راہِ حق میں درویشی کا مرتبہ

داتا صاحبؒ نے فقیر و درویشی کے بارے میں باب کا آغاز اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے کیا ہے (ترجمہ) ان فقیروں کے لیے جو راہِ خدا میں روکے گئے چل نہیں سکتے۔ نادان انھیں تونگر سمجھتے ہیں تو دانی کے سبب"۔ اور اس کے بعد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی ہے "میرے محبوبوں کو میرے قریب کرو۔ فرشتے عرض کریں گے اے خدا! تیرے محبوب کون ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا وہ مسکین فقرا ہیں۔

حضرت داتا صاحبؒ اس ضمن میں فقیر کی پہچان یہ بتاتے ہیں کہ فقیر وہ ہے کہ اس کے پاس کچھ نہ ہو اور کوئی چیز مخل انداز نہ ہو۔ نہ وہ دنیاوی اسباب کے ہونے سے غنی ہو اور نہ اس سے محرومی پر محتاج ہو۔ اسباب کا ہونا یا نہ ہونا فقیر کے نزدیک ایک جیسا ہے۔ اگر وہ ان کے نہ ہونے سے زیادہ مطمئن ہو تو جائز ہے کیونکہ مرشدوں نے فرمایا ہے کہ درویش جس قدر تنگ دست ہوگا اس کا حال اتنا ہی کشادہ ہوگا کیونکہ ظاہری وجود بھی فقیر کے لیے برا معلوم ہوتا ہے لیکن وہ کسی چیز کے لیے دروازہ بند نہیں کرتا۔ اگر بند کرے تو اتنا ہی اس کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مقربان کی زندگی پوشیدہ الطافات و انعام میں ہوتی ہے۔ اس کی وضاحت حضرت داتا صاحب نے اس حکایت میں فرمائی ہے۔

ایک درویش کی کسی بادشاہ سے ملاقات ہوئی۔ بادشاہ نے کہا مجھ سے اپنی کسی ضرورت کے لیے کچھ مانگو۔

میں اپنے غلاموں کے غلام سے کچھ نہیں مانگتا۔ درویش نے جواب دیا۔

بادشاہ نے پوچھا میں تمھارے غلاموں کا غلام کس طرح ہوں۔

درویش نے کہا میرے دو غلام ہیں۔ ایک حرص اور دوسرے شہوت اور یہ دونوں تیرے آقا ہیں"۔

لہٰذا فقیر کی عزت اس میں ہے کہ وہ اپنے اعضاء کو ذلیل حرکتوں سے بچائے اور اپنے حال کو انتشار سے محفوظ رکھے۔ نہ اس کا جسم گناہ اور اغراض سے آلودہ ہو اور نہ اپنی جان کسی عمل اور آفت کے سپرد کرے۔ نہ لوگوں کا کوئی اس سے تعلق ہو اور نہ شہریت کی اس سے نسبت ہو۔ اس جہان کی ملکیت اور آخرت میں درجات کی خواہش سے دل کو خالی رکھے اور یہ جانے کہ دونوں جہان اس کے فقر کے ترازو کے پلڑے میں مچھر کے پر برابر بھی وزن نہیں رکھتے۔ فقیر جب اس حالت میں ہوگا تو اس کو ایک سانس میں بھی دونوں جہان میں سما نہیں سکتا۔

اس مسئلہ پر کہ غنا کو فقر پر فضیلت حاصل ہے یا فقر کو غنا پر فضیلت حاصل ہے حضرت داتا صاحبؒ مشائخ کرام کے اقوال بیان کرتے ہوئے ایک اور حکایت بیان فرماتے ہیں کہ

"میں نے حکایتوں میں پایا ہے کہ ایک روز حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان اس مسئلہ پر بحث ہوئی۔ ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دلیل دی کہ غنی اس لیے افضل ہیں کہ قیامت کے دن غنیوں پر حساب لیا جائے گا اور حساب دینے کے لیے بغیر کسی واسطے کے اللہ تعالیٰ کا کلام سننا ہوگا۔ یہ محل عتاب ہے اور عتاب دوست کا دوست کے ساتھ ہوتا ہے۔

حضرت جنیدؒ نے فرمایا اگر غنی سے حساب ہوگا تو درویشوں سے معذرت خواہی ہوگی۔

لہٰذا صاحب سے عقد افضل ہے۔

اس حکایت کو داتا صاحبؒ نے تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ محبت کے مسلہ میں عقد یگانگی ہے اور عتاب بیگانگی کے مخالف ہے۔ جبکہ دوستان خدا اس مقام پر ہوتے ہیں جہاں یہ دونوں چیزیں ان کے احوال میں آفت ظاہر کرتی ہیں کیونکہ عقد خواہی تو ایسے قصور پر ہوگی جو دوست کے بارے میں اس کے فرمان کے خلاف عمل سے سرزد ہوا ہوگا۔ لہٰذا جب دوست اپنے حق کو اس سے طلب کر لیتا ہے تو یہ اس سے عقد خواہی ہوگی اور عتاب دوست کے فرمان کی نہیں ہیں کو تاہی کے سبب ہوتا ہے ایسی صورت میں دوست اس کے قصور کے سبب اس پر عتاب کرتا ہے۔ خدا کے دوستوں کے لیے یہ دونوں باتیں مشکل ہیں۔ یہ لوگ تو ہر حال میں یعنی فقر کی حالت میں اور صبر و رضا کی حالت میں فخر بجا لاتے ہیں اور دوستی کا تقاضا ہے کہ دوست اپنے دوست سے کسی چیز کا مطالبہ نہ کرے اور نہ دوست کے فرمان کو ضائع کرے۔

"اس نے ظلم کیا جس نے آدمی کا نام امیر رکھا حالانکہ اس کے رب نے اس کا نام فقیر رکھا۔" اس لیے کہ اس کا نام حق تعالیٰ کی طرف سے فقیر ہے اگرچہ ظاہر میں وہ امیر ہے مگر حقیقت میں وہ فقیر ہے۔ وہ شخص ہلاک ہو گیا جس نے یہ گمان کیا کہ وہ امیر ہے۔ اگرچہ وہ تاج و تخت کا مالک ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ غنی صاحب صدقہ ہے اور فقیر صاحب صدق ہے اور صاحب صدق، صاحب صدقہ کی مانند نہیں ہو سکتا۔

حضرت داتا صاحبؒ اپنے استاد ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حکایت لکھتے ہیں کہ میں سلطان سے متاثر ہو کر لوگ فقر و غنا میں بحث کرتے ہیں اور خود کو مختار بنایا کرتے ہیں لیکن میں اسے اختیار کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ میرے لیے اختیار فرمائے اور اسی کی میں حفاظت کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے تونگر رکھے تو میں غافل نہیں ہوتا اور اگر درویش بنائے تو حریص اور معترض نہیں ہوتا یہ تمام ایسی نعمت ہے جس میں حکمت ایک آفت ہے۔

حضرت داتا صاحبؒ نے اس حکایت کے رموز کو معنی کے اعتبار سے بہتر قرار دیا ہے اور اصول و روش کے لحاظ سے مختلف بتایا ہے جس کا تیسیر یہ اخذ کیا ہے کہ دل کو فارغ رکھنے کا نام فقر ہے اور غیر میں مشغول ہونے کا نام غنا ہے جب دل فارغ ہو گیا تو فقر غنا سے افضل ہے اور غنا فقر سے۔ ساز و سامان کی کثرت کا نام غنا نہیں اور نہ اس کے نہ ہونے کا نام فقر ہے۔ ساز و سامان تو خدا کی طرف سے ہے جب طالب ملکیت سے دستبردار ہو جائے تو شرکت ختم ہو جاتی ہے اور وہ دونوں اسمی دشمن اور فقر سے بے نیاز ہو گیا۔

صوفی کون ہے

کشف المحجوب کے باب تصوف میں حضرت داتا صاحبؒ نے صوفی کی حقیقت اجاگر کرتے ہوئے دو واقعات دلیل کے طور پر پیش کیے ہیں اور اپنے زمانے کے حوالے سے بتایا ہے کہ

اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی اکثر مخلوق تصوف اور صوفیائے کرام کی ذات اقدس سے پردے میں رکھی گئی ہے اور تصوف کے لطائف ان کے دلوں سے پوشیدہ رکھے گئے کوئی یہ سمجھے کہ یہ ظاہر اصلاح کے لیے ریاضتیں ہیں اور باطنی مشاہدات سے خالی ہیں اور کوئی یہ سمجھے کہ یہ ایک رسم ہے جس کی کوئی اصل و حقیقت نہیں ہے چنانچہ وہ

اس حد تک اس کو انکار کرتے ہیں کہ بعض کو مسخرہ اور علمائے ظاہر کو کلی طور پر انکار کرتے ہیں تصوف سے غفلت میں خوش رہتے ہیں اور ان کی دیکھا دیکھی عوام بھی ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگے ہیں حضرت داتا صاحبؒ اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حق و صداقت کی راہ میں اگر تم صوفی ہونا چاہتے ہو تو جان لو کہ صوفی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صفت ہے۔ یہ صفت باطن کی صفائی سے پیدا ہوتی ہے اور اس کی حقیقت اللہ کے رسول کی جانب ہے۔ یہ دونوں صفتیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہیں۔ اس کے ثبوت میں حضرت داتا صاحبؒ نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پاک کے وقت تمام صحابہ کرام حضور کی بارگاہ میں افسردہ ہو کر بیٹھ رہے تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار نکال کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

جس نے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔ اس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور بلند آواز سے فرمایا:

سنو لوگو! جو حضورؐ کی عبادت کرتا ہے وہ جان لے کہ حضورؐ کا وصال ہو گیا ہے اور جو حضورؐ کے رب کی عبادت کرتا تھا وہ بے شک زندہ ہے جسے موت نہیں۔ اس وقت آپ نے یہ آیت مقدسہ پڑھی:

(ترجمہ) اور حضورؐ تو اللہ کے رسول ہی ہیں، آپ سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ تو کیا اب حضورؐ انتقال فرما جائیں یا شہید ہو جائیں تو اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے؟

حضرت داتا صاحبؒ اس واقعہ کی تشریح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کے معبود حضورؐ تھے وہ تو تشریف لے گئے اور جو حضورؐ کے رب کی عبادت کرتا تھا تو حضورؐ کا رب زندہ ہے۔ ہرگز اس پر موت نہیں آتی۔ یعنی جس کا دل فانی سے پیوستہ ہوتا ہے تو وہ فانی فنا ہو جاتا ہے لیکن جس کا دل اللہ تعالیٰ سے پیوستہ ہے تو وہ نفس سے فنا ہو جاتا ہے اور دل باقی کے ساتھ باقی رہتا ہے لہٰذا جس نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کو آنکھ سے دیکھا اور آپ کو اپنے جیسا بشر جانا تو جب آپ دنیا سے تشریف لے جائیں گے تو اب وہ عزت و حرمت اس کے دل میں نہ رہے گی۔ لیکن جس نے حضورؐ کو حقیقت کی آنکھ سے دیکھا تو اس کے لیے آپ کا تشریف لے جانا یا موجود رہنا ایک برابر ہے۔

اب رہا دنیائے فانی سے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل کا خالی ہونا، تو وہ یہ ہے کہ آپ کے پاس جو بھی ساز و سامان اور غلام تھے سب خدا کی راہ میں دے کر ایک کمبل اوڑھ کر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو گئے اس وقت حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

"اے صدیق! تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟"

حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسولؐ۔

جب انسان کا دل دنیاوی صفات سے آزاد ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا کی کدورتوں سے اسے پاک و صاف کر دیتا ہے۔ یہ تمام صفات صوفی صادق کی ہیں اور ان کا انکار در حقیقت حق کا انکار ہے۔ در حقیقت صوفی وہ ہے جو بشری کدورتوں سے پاک صاف ہو جائے جیسا کہ مصر کی عورتوں نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کا مشاہدہ کیا تو آپ کے حسن و جمال کی لطافتوں میں ایسی گم ہوئیں کہ ان پر بشریت غالب آ گئی۔ اس کے بعد بشریت کا عکس برعکس ہو کر واپس ہوا اور انتہا وحد کمال تک پہنچی۔ تو اپنی بشریت کی فنا سے آگاہ ہو کر کٹ گئیں۔

یہ تو بشر ہی نہیں ہے۔ حالانکہ انھوں نے اپنے کلام کا نشانہ بظاہر حضرت یوسف علیہ السلام کو بنایا تھا لیکن جو حالت ان پر طاری تھی اس کا اظہار انھوں نے کیا۔

اس نکتے پر مشائخ طریقت فرماتے ہیں کہ حالت صفا، بشری صفات میں سے نہیں ہے اس لیے کہ بشر تو ایک مٹی کا تودہ ہے اور مٹی کے تودے میں کدورت تو ہوتی ہے لہٰذا بشری حالت میں رہتے ہوئے کدورت سے نجات ممکن نہیں، لہٰذا صفا کی مثال اعمال سے نہیں ہوگی اور وصف میں صفت و مجاہدہ سے بشریت زائل نہ ہوگی کیونکہ صفت صفا انسان و احوال سے منسوب نہیں ہے اور نہ اس کا نام و القاب سے تعلق ہے۔ صفا تو محبوبان کی صفت ہے وہ تو گویا ہر اس سورج ایسا جس پر بادل کا سایہ نہیں پڑتا۔ صفا دوستوں کی صفت ہے۔ یہ وہ دوست ہیں جو اپنی صفت فنا کر کے اللہ تعالیٰ کی صفت کے ساتھ باقی ہو گئے ہیں۔

اس تجربے کی تشریح کے لیے حضرت داتا صاحب نے حبیب خدا سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے درمیان حارثہ کے بارے میں ایک مکالمہ کو بیان فرمایا ہے۔ صحابہ کرام نے حضرت حارثہ کے دل کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

"وہ ایسا بندہ ہے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے ایمان سے منور فرمایا ہے یہاں تک کہ اس کا چہرہ اس کی تاثیر سے روشن اور نورِ ربانی سے درخشاں ہے۔" چنانچہ حضرت حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے تو ان سے حضور نے دریافت فرمایا:

"اے حارثہ! تم نے صبح کیسے کی؟"

عرض کیا: "میں نے اللہ کی حقانیت پر ایمان کے ساتھ صبح کی۔"

آپ نے فرمایا: "غور کرو اے حارثہ! تم کیا کہہ رہے ہو کیونکہ ہر شے کے لیے ایک حقیقت ہوتی ہے تو تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟"

حضرت حارثہ نے عرض کیا: "میں نے دنیا سے اپنی جان نکال کر رب سے لو لگائی۔ اس کی علامت یہ ہے کہ پتھر، سونا، چاندی اور مٹی میرے نزدیک سب برابر ہیں کیونکہ دنیا سے منہ موڑ کر عقبیٰ سے لو لگا رکھی ہے۔ اب رات کو بیدار رہتا ہوں اور دن کو پیاسا یہاں تک کہ اب میری حالت یہ ہو گئی ہے کہ میں اپنے آپ کو واضح طور پر دیکھ رہا ہوں اور جنتیوں کو جنت میں ملاقات کرتے دیکھ رہا ہوں اور دوزخیوں کو دوزخ میں ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے جھگڑتے دیکھتا ہوں۔"

اس پر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے حارثہ! تم نے پہچان لیا پس اب اس پر کاربند رہو۔" آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔ کاملین اولیاء اور محققین عرفاء کا نام صوفی ہے۔

گدڑی اولیاء اللہ کی زینت ہے

حضرت داتا صاحب فرماتے ہیں کہ گدڑی یا اونی کپڑے پہننا صوفیائے کرام کا شعار ہے اور گدڑی پہننا سنت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صوف کا لباس پہنتے اور دراز گوش کی سواری سے مسرت فرماتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا، اس وقت تک کپڑے کو ضائع نہ کرو جب تک اس میں پیوند لگ سکے۔ سیدنا فاروق اعظم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ کے پاس ایک ایسا گدڑی تھا جس میں تیس پیوند لگے ہوئے تھے۔ حضرت عمر فاروق کا قول ہے، سب سے

بہترین لباس وہ ہے جس میں آسانی سے محنت کی جا سکے۔

سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے پاس ایک ایسا لباس تھا جس کی آستینیں انگلیوں تک لمبی تھیں اور جب لباس کی آستینیں زیادہ لمبی ہو جاتیں تو اسے انگلیوں کے برابر کر کے کتروا دیتے تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق اپنی تنہائیوں میں صوف کا لباس پہنتے تھے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیوند لگی گدڑی پہنتے تھے۔ سیدنا امیر المومنین عمر فاروق اور سیدنا امیر المومنین علی مرتضیٰ اور ہرم بن حیان فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صوف کا لباس پہنے دیکھا جس پر پیوند لگے ہوئے تھے۔ امام اعظم سیدنا ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابتداء میں گدڑی پہن کر گوشہ نشینی کا ارادہ کیا تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا:

تمہیں لوگوں کے درمیان رہنا چاہیے کیونکہ تمہارے ذریعہ میری سنت زندہ ہوگی۔ اس کے بعد امام ابو حنیفہ نے گوشہ نشینی کا ارادہ ترک کر دیا لیکن کبھی قیمتی لباس نہ پہنا۔

حضرت داتا صاحب نے گدڑی پہننے کے بارے میں یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ گدڑی پہن کر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں تشریف لائے تو مجلس کے شرکاء نے ان کی طرف حقارت سے دیکھا۔ اس پر امام ابو حنیفہ نے فرمایا:

ابراہیم ادہم ہمارے سردار ہیں، تم تشریف لاتے ہیں۔ لوگوں نے دریافت کیا: اے امام! آپ کے منہ سے کبھی کوئی مذاق نہیں سنا۔ آپ کس طرح انھیں سرداری کے مستحق سمجھتے ہیں؟

امام ابو حنیفہ نے فرمایا: انھوں نے خدمت کر کے سرداری حاصل کی ہے کیونکہ یہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی خدمت و عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور ہم صرف اپنی جانوں کی خدمت کرتے ہیں اس لیے یہ ہمارے سردار ہیں۔

حضرت داتا صاحب گدڑی کی اہمیت اور اس کی معنوی حیثیت روشناس کراتے ہوئے یہ حکایت لکھتے ہیں کہ ایک بزرگ نے کسی سے پوچھا:

تم نے گدڑی کیوں پہنی!

اس نے جواب دیا، نفاق کے خوف سے اس لیے کہ جو اہل مردوں کا لباس پہنے جو اہل مردوں کے معاملات کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا، اہل مردوں کا سا بوجھ نہ اٹھانا اور لباس جوانمردوں کا پہننا منافقت ہے۔ اب اگر یہ لباس اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری شناخت کرے کہ تم اس کے خاص بندے ہو تو وہ بے لباس بھی شناخت کرتا ہے۔ اگر گدڑی اس لیے پہنی جائے کہ لوگوں کو پتا چل جائے کہ تم اللہ کے خاص بندے ہو تو یہ ریاکاری ہوگی۔

گدڑی صوفیوں کیلئے لباس وفا ہے

اسی ضمن میں حضرت داتا صاحب نے اپنے استاد ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ طوس میں میں نے ان سے استفسار کیا کہ درویش کے لیے کم از کم کونسی چیز ضروری ہے جو فقر کے لیے سزاوار ہو۔ انھوں نے فرمایا:

تین چیزیں فقر و درویشی کے لیے ضروری ہیں۔ ان میں سے کم پر نام فقر دیا نہیں۔ ایک یہ کہ گدڑی میں پیوند کی سلائی درست کرے، دوسرے یہ کہ کلمات سننا پسند کرے اور تیسرے یہ کہ زمین پر پاؤں ٹھیک سے رکھے یعنی تکبر و غرور کی چال نہ چلے جب

...سے یہ باتیں روایت کیں تو صوفیہ کی ایک جماعت بھی موجود تھی اور انھوں نے بھی باتیں سنیں۔ جب ہم حضرت ارکانی رحمۃ اللہ علیہ سے مل کر دروازے سے باہر آئے تو ہر ایک نے وہاں پر گدڑی کو اتار کر پھینک دیا اور ان جاموں کو اسی میں لانت آنے لگی۔ جماعت کے ہر فرد کو یقین آگیا کہ اس کا نام فقر ہے چنانچہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے لباسوں کو خوب پیوند لگانے اور ڈھیلی پر دامنا پاؤں مارنے کی کوشش شروع کر دی۔ ہر شخص نے اپنے تئیں یہ سمجھ لیا کہ وہ طریقت کو سمجھتا ہے۔ میرا دل اپنے استاد کی باتوں میں لگا ہوا تھا۔ مجھ سے استاد کی باتوں کو ضائع ہوتے ہوئے نہ دیکھا گیا اور میں نے ان سے کہا استاد نے جو کچھ کہا آؤ ہم سب مل کر اس پر بحث کرتے ہیں اور ہر شخص اپنے اپنے فہم کے مطابق استاد کی باتوں کی تشریح کرے۔ بحث کے دوران جب میری باری آئی تو میں نے کہا:

گدڑی میں درست پیوند لگانے کا مقصد یہ ہے کہ فقر کے لیے پیوند لگایا جائے نہ کہ زیب و زینت کے لیے۔ جب پیوند فقر کے لیے ہوگا تو وہ اگرچہ بظاہر غلط ہی لگا ہوگا لیکن فقر میں درست ہوگا۔ سچی بات سننے کا عادی ہونا یہ ہے کہ حال کے لیے ہو نہ کہ اپنے وجود و مستی کے لیے، اور اس میں کھیل کود اور میل ملاپ کے لیے تصرف نہ کرے بلکہ وجد کے لیے کرے اور خشک پاؤں رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ وجد کی خاطر زمین پر پاؤں رکھے نہ کہ کھیل تماشے کے لیے۔ کچھ لوگوں نے میری تشریح کو حضرت شیخ کے سامنے بیان کیا تو انھوں نے فرمایا:

علی ہجویری ٹھیک راہ راست پر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انھیں پسند فرمایا ہے۔ حضرت داتا صاحب نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے کہ حضرت عیسیٰ گدڑی پہنا کرتے تھے جسے آپ اپنے ساتھ آسمان پر لے گئے۔ ایک بزرگ اس سلسلے میں فرماتے ہیں کہ میں نے انھیں خواب میں دیکھا کہ ان کی گدڑی کے ہر پیوند سے نور درخشاں تھا۔ میں نے عرض کیا، اے حضرت مسیح علیہ السلام! یہ انوار آپ کی گدڑی سے کیسے درخشاں ہیں؟ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا:

یہ میرے اضطرار اور پریشانی کے انوار ہیں کیونکہ ہر پیوند میں نے انتہائی ضرورت و احتیاج کے وقت لگایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ہر دکھ اور الم کے بدلے ایک نور دے دیا۔

حضرت داتا صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ماوراء النہر (وسطی ایشیا) میں ایک ملامتی گروہ کو دیکھا کہ انسان جو کچھ کھا اور پہن سکتا ہے اس میں سے کچھ نہیں کھاتا اور نہ پہنتا تھا اور صرف وہی چیزیں کھاتا تھا جو لوگ پھینک دیتے تھے جیسے خراب گلی سڑی ترکاری، کدو اور گاجر وغیرہ اور وہ ایسی گدڑی پہنتا تھا جو راستے سے چیتھڑے چن چن کر پاک کر کے بناتا تھا۔

متاخرین ارباب معنی میں سے ایک بزرگ مرد الرود (ترکستان) کے رہنے والے تھے۔ ان کا حال انتہائی اچھا اور خصلت انتہائی نیک تھی۔ ان کی گدڑی اور مصلیٰ پر بے ترتیب پیوند لگے تھے اور ان میں بچھوؤں نے بچے دیے ہوئے تھے۔

میرے پیر و مرشد نے اکیاون سال تک ایک ہی گدڑی پہنی اور اس میں بے تکلف پیوند لگاتے تھے۔ اہل عراق کی حکایتوں میں میں نے پڑھا ہے کہ عراق میں دو درویش تھے جن میں ایک صاحب مشاہدہ تھے اور دوسرے صاحب مجاہدہ۔ صاحب مشاہدہ درویش نے تمام عمر ایک ایسی تار تار گدڑی پہنی جو سماع کے دوران درویشوں کی پھٹ جاتی تھی اور صاحب مجاہدہ درویش نے زندگی بھر ایسی دریدہ گدڑی پہنی

جیسا کہ استغفار کی حالت میں ہوتی ہے اور درویش اس حال میں اپنے لباس تار تار کر لیتے ہیں تاکہ ان کی ظاہری کیفیت اس کے موافق ہو جائے جو ان کی باطنی سیرت پر ہوتی ہے۔ یہ کیفیت اپنے احوال کی حفاظت کے لیے ہوتی ہے۔ حضرت شیخ محمد بن خفیفؒ نے بیس سال تک نہایت سخت ٹاٹ پہنا۔ وہ ہر سال چار چلے کرتے اور چالیس روز میں علوم حقائق پر ایک کتاب لکھتے تھے۔ ان کے عہد میں محمد بن زکریا نامی محقق طریقت و حقیقت پیچنے کی کمال پر پہنچے تھے اور کبھی گدڑی نہیں پہنتے تھے۔ لوگوں نے شیخ ابن محمد خفیف سے گدڑی پہننے کی شرائط پوچھیں اور ان پر کوتاہی کا اکثر شکایت کی تو انھوں نے فرمایا:

گدڑی پہننے کی شرط یہ ہے کہ محمد بن زکریا اپنے عمدہ سفید لباس کی جگہ پہنیں اور اس لباس کی مناسبت ان سے ہی کر سکتے ہیں۔

سیاہ پوشی

ایک علم کے دعویدار نے کسی سیاہ پوش درویش سے پوچھا:

"تم نے سیاہ لباس کیوں پہن رکھا ہے؟"

درویش نے جواب دیا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزیں چھوڑی تھیں ایک فقر، دوسرا علم اور تیسری تلوار۔ تلوار بادشاہوں نے پکڑ لی مگر اس کو غلط جگہ پر استعمال کیا۔ علم علماء نے اختیار کیا لیکن اسے پڑھنے اور سیکھنے تک محدود رکھا۔ فقر کو فقراء نے اپنایا لیکن اسے دولت و مال کے حصول کا ذریعہ بنا لیا۔ میں نے ان تینوں مصیبتوں پر سیاہ پوشی اختیار کی ہے۔

حضرت مرتعش کی حکایت

حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ ایک روز بغداد کے کسی محلہ میں سے گزر رہے تھے کہ انھیں پیاس محسوس ہوئی۔ ایک مکان کے دروازے پر دستک دی اور پانی مانگا۔ تھوڑی دیر بعد ایک حسینہ پانی کا برتن لے کر آئی۔ انھوں نے پانی پیا اور جب پانی پلانے والی کی طرف دیکھا تو اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئے اور دروازے پر دھرنا مار کر بیٹھ گئے۔ چند لمحوں بعد مالک مکان باہر نکلا تو حضرت مرتعش نے کہا:

اے خواجہ! میں پانی کا ایک گھونٹ پینے کے لیے یہاں آیا تھا اور تمہارے گھر سے جو صورت پانی پلانے کے لیے آئی میرا دل لے گئی ہے۔ مالک مکان نے کہا وہ میری بیٹی ہے اور میں نے اسے تمہارے نکاح میں دے دیا۔

حضرت مرتعش دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر گھر کے اندر گئے اور لڑکی سے نکاح کر لیا۔ لڑکی کا باپ بے حد و حساب امیر تھا وہ انھیں حمام میں لے گیا۔ پھر گدڑی اتروائی اور عمدہ لباس پہنا دیا۔ رات ہوئی اور حضرت مرتعش نماز پڑھنے کے بعد تنہائی میں ورد کرنے لگے تو انھوں نے آواز دی میری گدڑی لائی جائے۔

گھر والوں نے پوچھا کیا بات ہو گئی ہے؟

حضرت مرتعش نے کہا: غیب سے ندا آئی ہے کہ اے مرتعش تم نے ایک نظر ہمارے غیر پر ڈالی اور ہم نے اس کی سزا کے طور پر تم سے صلاحیت کا لباس اور تمہارے ظاہر سے گدڑی اتار لی ہے۔ اب اگر تم دوسری مرتبہ ہمارے غیر پر نظر ڈالو گے تو ہم تمہارے باطن سے اس قرب و معرفت کا لباس بھی اتار لیں گے جس کے پہننے سے اللہ کا دوست اور اس کے محرموں اور اولیائے کرام کی آشنا حاصل

ہوتا ہے اور اس پر برقرار رہنا مبارک ہوتا ہے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس میں زندگی بسر کر سکتے ہو تو کرو اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو اولیائے کرام کے لباس میں خیانت نہیں کرنی چاہیے۔

کوئی حرص دوسری حرص سے بہتر نہیں

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن اپنے مرشد کے ساتھ آذر بائیجان میں تھا۔ گندم کے ڈھیروں کے قریب میں نے دو تین گدڑی پوش دیکھے جنہوں نے اپنا دامن پھیلایا ہوا تھا۔ مزارعوں نے تھوڑی سی گندم ان کی جھولی میں ڈال دی۔ مرشد نے ان کی طرف متوجہ ہو کر یہ آیت پڑھی۔

ترجمہ: "یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی تو نہیں ان کی تجارت میں کوئی نفع نہ ہوا اور نہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔"

میں نے مرشد سے عرض کیا "یا شیخ! یہ لوگ کس وجہ سے بے حرمت ہو گئے کہ یہ عام رسوا ہوتے ہیں؟" ..... شیخ نے فرمایا۔ ان کے پیروں کو مرید جمع کرنے والا لالچ ہے اور انہیں دنیا کے مال کی حرص ہے کوئی حرص دوسری حرص سے بہتر نہیں اور بلا ضرورت کے بغیر دعوت دینا خواہشات کی پیروی ہے۔

حضرت جنیدؒ کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ ایک روز بغداد کے باب الطاق میں سے گزر رہے تھے کہ انہوں نے ایک انتہائی خوبصورت مجوسی کو دیکھا۔ حضرت جنیدؒ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کی کہ خدایا! اسے میری طرف پھیر دے۔ تو نے اسے کتنا خوبصورت پیدا فرمایا ہے۔ اسی لمحے وہ مجوسی حضرت جنیدؒ کے پاس آیا اور کہنے لگا یا شیخ! مجھے کلمہ شہادت پڑھائیے۔ وہ مسلمان ہو گیا اور جماعت اولیاء میں سے ایک ولی بنا۔

حضرت شیخ ابو علی سیاہ سے کسی نے دریافت کیا کہ شریعت میں ملامتی کے لیے جائز ہے۔ انہوں نے فرمایا اس شخص کو جو خدا کی ساری حکمت سے مشورت ہو سکے ہوتے ہوئے حال میں کوئی حکم اور کوئی حالت ایسی نہ ہو جس کی اسے خبر نہ ہو۔

دوستانِ خدا کی غذا ملامت ہے

شیخ ابو طاہر حرمیؒ رحمۃ اللہ علیہ ایک دن گدھے پر سوار ہو کر بازار میں گئے۔ ایک مرید نے گدھے کی لگام پکڑی ہوئی تھی۔ کسی نے انہیں دیکھ کر کہا "یہ زندیق آ گیا۔" جب مرید نے یہ بات سنی تو اس کی ارادت کی غیرت نے جوش مارا اور اٹھ کھڑا ہوا کہ اپنے پیر کی بے حرمتی کرنے والے کو مارنے کے لیے دوڑا۔ بازار میں شور سا مچ گیا۔ شیخ ابو طاہر حرمیؒ نے مرید کو آواز دے کر کہا۔ اگر تو خاموش ہو جائے تو میں تجھے ایک نصیحت آموز چیز دکھاؤں تاکہ تو سختی کرنے سے باز رہے۔ مرید پیر کی آواز سن کر چپ ہو گیا اور جب پیر کے ساتھ واپس ڈیرے پر آیا تو شیخ ابو طاہر نے کہا۔

وہ صندوق اٹھا لاؤ۔ مرید نے صندوق لا کر پیر کے سامنے رکھ دیا اور جب پیر کے حکم سے مرید نے صندوق کھولا تو وہ خطوں سے بھرا ہوا تھا اور یہ خط لوگوں کے تھے۔ شیخ ابو طاہر نے مرید سے کہا کہ وہ ان خطوں کو پڑھے۔ مرید نے خط پڑھے تو لوگوں نے ان خطوں کے القاب میں کسی نے شیخ الاسلام کسی نے شیخ زاہد، کسی نے شیخ الحرمین وغیرہ لکھا ہوا تھا۔ شیخ نے مرید سے کہا۔

یہ القاب و خطاب میں میرا نام نہیں ہیں۔ حالانکہ میں یہ سب کچھ نہیں ہوں ہر شخص نے اپنے عقیدے کے مطابق مجھے مخاطب کیا ہے۔ اگر اس بے چارے نے زندیق کہہ دیا تو اس نے اپنے خیال کے مطابق مجھے کچھ کہہ دیا ہے یا میرا کوئی لقب رکھ دیا ہے تو تم کیوں الجھتے ہو۔

غلط شے ہو اور بھلا ارادہ کرتے ہو۔

امیر المومنین سیدنا عثمان خلیفہ سوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن کھجوروں کے باغ سے آ رہے تھے اور آپ نے لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھایا ہوا تھا۔ حالانکہ آپ کے چار سو غلام بھی تھے۔ راستے میں کسی نے عرض کیا۔

"اے امیر المومنین! یہ کیا حالت ہے؟"

آپ نے جواب میں فرمایا۔ میں نے چاہا کہ اپنے نفس کا تجربہ کروں۔ اگرچہ یہ کام میرے غلام بھی کر سکتے تھے مگر میں نے اس بات کو اپنے لیے کیا کہ اپنے نفس کی آزمائش کروں تاکہ خلقت میں جو میرا مرتبہ ہے کسی وجہ سے مجھے کام سے باز نہ رکھے۔ حضرت ابو یزیدؒ حجاز کے سفر سے آ رہے تھے کہ شہر میں ان کی تشریف آوری کی خبر پھیل گئی اور شہر والے لوگ آپ کا استقبال کرنے کے لیے شہر سے باہر آ کر جمع ہو گئے تاکہ آپ کو عزت و احترام کے ساتھ جلوس کی صورت میں شہر لایا جائے۔ حضرت ابو یزیدؒ کو جب معلوم ہوا کہ شہر کے لوگ ان کے استقبال کے لیے آئے ہیں اور ان کی خاطر مدارات کے انتظامات کر رہے ہیں تو ان کا دل بھی لوگوں کی طرف متوجہ ہو گیا اور حق سے مشغول ہو کر پریشان سے ہو گئے۔ جب استقبال کرنے والوں کے قریب پہنچے تو اچانک قبا کی آستین سے ایک روٹی نکال کر کھانے لگے جبکہ رمضان کا مہینہ تھا اور لوگ ان کی اس حرکت سے منہ موڑ کر چلے گئے حضرت ابو یزیدؒ چونکہ سفر میں تھے اور روزہ نہ رکھنے کی سفر میں اجازت ہے۔ لوگ چلے گئے تو حضرت ابو یزیدؒ نے اپنے ساتھی مرید سے کہا۔

تم نے دیکھا شریعت کے ایک مسئلہ پر لوگوں نے مجھے کار بند دیکھا تو سب برگشتہ ہو کر چلے گئے۔

حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن مجھے تصوف کے جھوٹے دعویداروں کی مجلس میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا۔ ان میں سے اچانک ایک سے کوئی غلط حرکت سرزد ہو گئی لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا یہ ملامت کے لیے تھا۔ ایک نے اس پر کہا یہ کوئی چیز نہیں جسے تم ملامت کہہ رہے ہو۔ یہ سن کر وہ شخص غصے میں آ گیا اور اس کی سانس پھول گئی۔ میں نے اس سے کہا کہ اے شخص اگر تیرا دعویٰ ملامت کے لیے تھا تو تو نے اس جماعت کا تیرے دعوے سے انکار کرنا ملامت ہی کی تائید تھی اور جب وہ تیری راہ میں تیری حمایت کرتا ہے تو تمہارا اس کے ساتھ جھگڑا کرنا بے معنی ہے تیرا یہ فتنہ ملامت کی نسبت دعوے سے زیادہ مشابہ ہے اور جو شخص امر حق کی طرف جائے اس کے لیے دلائل کی ضرورت ہے اور وہ دلیل سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت ہے جب میں تجھے ظاہر میں فرائض کا تارک دیکھتا ہوں حالانکہ تو لوگوں کو اس کی طرف بلاتا ہے تو یہ کام دائرہ اسلام سے باہر ہو جاتا ہے۔

حضرت داتا صاحبؒ ان مندرجہ بالا حکایتوں کو پیش کر کے یہ ثابت کرتے ہیں کہ ملامتیوں کی طبیعت اللہ تعالیٰ کی کسی چیز سے اتنی نفرت نہیں کرتی جتنی کہ لوگوں میں عزت و منزلت پانے سے نفرت کرتی ہے۔

حضرت داتا صاحبؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے ماوراء النہر میں ایک ملامتی ملا جب وہ خوش ہوا تو اسی دوران میں نے اسے کہا۔

اے بھائی! ان افعال بد سے تیری کیا مراد ہے؟

اس نے جواب دیا۔ لوگوں سے دامن چھڑانے کے لیے۔

میں نے اس بات پر دل میں سوچا، یہ مخلوق تو بہت زیادہ ہے اور تیری عمر بہت مختصر ہے ان سب سے اپنا پیچھا چھڑانا مشکل ہے۔ اگر تو خلقت سے پیچھا چھڑانا

چاہتا ہے تو ان سب کو چھوڑ دے تاکہ ان سب مصروفیات سے تیرا دامن چھوٹ جائے۔

حضرت ابراہیم ادہم کی حکایت

کسی نے حضرت ابراہیم ادہم سے دریافت کیا کہ آپ کو کبھی اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی ہے؟ حضرت ابراہیم ادہم نے فرمایا، دو مرتبہ مجھے اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی ہے۔ ایک اس وقت جب میں ایک کشتی میں سفر کر رہا تھا اور مجھے کسی نے شناخت نہ کیا۔ کیونکہ میں نے پھٹے پرانے اور میلے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور بال بڑھے ہوئے تھے۔ ایسی حالت میں کشتی کے سب مسافر میرا مذاق اڑاتے رہے۔ کشتی کے مسافروں میں ایک مسخرہ بھی تھا اور وہ اپنی بیہودہ حرکتیں کرتا ہوا میرے قریب آتا اور میرے سر کے بال نوچتا، اکھاڑتا اور میرے ساتھ بیہودہ مذاق کرتا۔ اس کے اس طرح کرنے سے میری ملامت ہوتی اور اپنے اس بیہودہ کپڑوں سے مجھے بے انتہا خوشی ہوتی۔ یہاں تک کہ میری خوشی انتہا کو پہنچ گئی جب اس مسخرے نے اٹھ کر مجھ پر پیشاب کر دیا اور دوسری بار اس وقت مجھے مقصد میں کامیابی ہوئی جب میں ایک گاؤں میں تھا اور وہاں بڑے زور کی بارش ہو رہی تھی اور موسم بھی سردی کا تھا۔ سردی سے میرا جسم ٹھٹھر سا گیا اور میرے جسم پر گدڑی تھی اور وہ بھی بھیگ گئی تھی۔ میں نے سردی اور بارش سے بچنے کے لیے ایک مسجد کی طرف رخ کیا لیکن مسجد میں مجھے ٹھہرنے کی اجازت نہ دی گئی۔ پھر دوسری مسجد کی طرف چلا گیا لیکن وہاں بھی ٹھہرنے نہ دیا گیا۔ اس کے بعد میں تیسری مسجد میں گیا اور وہاں بھی میرے ساتھ وہی سلوک ہوا۔ میں عاجز آ گیا اور سردی میری برداشت سے باہر ہو گئی۔ آخر کار تنگ آ کر میں ایک حمام کی بھٹی کے آگے آ کر بیٹھ گیا اور اپنا بھیگا ہوا کپڑا سکھانے کے لیے آگ کے سامنے کر دیا۔ اس کوشش میں آگ اور دھواں مجھ پر چھا گیا جس سے میرے کپڑے اور جسم سیاہ ہو گئے۔ اس رات بھی میں نے اپنی مراد پالی۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کی حکایت

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے ایک مشکل پیش آ گئی، لیکن میری کوشش کے باوجود یہ مشکل حل نہ ہوئی۔ اس سے پہلے بھی مجھے ایک مشکل پیش آئی تھی تو میں نے حضرت شیخ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر حاضری دی اور وہ مشکل حل ہو گئی۔ اس بار بھی میں نے ارادہ کیا کہ وہاں حاضری دوں۔ چنانچہ میں نے تین مہینے تک مزار پر چلہ کشی کی تاکہ یہ مشکل حل ہو جائے۔ ہر روز تین مرتبہ غسل کرتا اور تیس مرتبہ وضو کرتا اس امید پر کہ مشکل حل ہو جائے گی مگر حل نہ ہوئی اور وہاں سے اٹھ کر میں خراسان کی طرف چل دیا۔

ایک رات خراسان کے ایک گاؤں میں پہنچا۔ وہاں ایک خانقاہ تھی جس میں صوفیوں کی ایک جماعت موجود تھی۔ میرے جسم پر ایک کھردری اور سخت قسم کی گدڑی تھی اور مسافروں کی طرح میرے پاس کچھ سامان بھی نہ تھا سوائے ایک لاٹھی اور لوٹے کے۔ صوفیوں نے مجھے اس حال میں دیکھ کر حقارت کا اظہار کیا اور مجھے بالکل شناخت نہ کیا۔ وہ اپنے رسم و رواج کے مطابق آپس میں گفتگو کرتے رہے اور میرے بارے میں انہوں نے اس بات کا اظہار کیا کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے اور یہ تھا بھی درست کہ میں ان میں سے نہیں تھا لیکن میرے لیے وہاں رات گزارنا ضروری تھا، وہاں جگہ بھی نہیں تھی تاہم انہوں نے مجھے ایک درے میں بٹھا دیا اور خود چھت پر چلے گئے۔ انہوں نے اوپر سے ایک باسی سوکھی روٹی میرے لیے پھینکی اور میں ان کھانوں کی خوشبو لے رہا تھا جو وہ کھا رہے تھے اور ساتھ ساتھ مجھ پر آوازے بھی کس رہے تھے۔ جب وہ کھانا کھا چکے تو انہوں نے خربوزے کھانا شروع کر دیے اور چھلکے مجھ پر پھینکتے گئے۔ انھوں نے خوب ہنسی اور ٹھٹھول کیا اور میں اپنے دل میں کہہ رہا تھا، اے رب کریم! اگر میں تیرے محبوبوں کا لباس پہنے ہوئے نہ ہوتا تو میں ان سے علیحدہ ہو جاتا۔ اس دوران میں ان کی پھبتیاں بڑھتی گئیں۔ میرا دل خوشی سے لبریز ہو گیا یہاں تک کہ اس واقعہ کا بوجھ اٹھانے سے میری وہ مشکل حل ہو گئی۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ مشائخ کرام جاہل لوگوں کو اپنے ساتھ شامل ہونا کس لیے برداشت کرتے تھے اور ان کی سختیاں کیوں جھیلتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ جب آپ نے بیعت خلافت لی تو آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا جس میں آپ نے فرمایا،

خدا کی قسم! میں ایک دن یا ایک رات کے لیے بھی امارت و حکومت کا حریص نہیں اور نہ مجھے اس کی رغبت ہے اور نہ ہی ظاہر و باطن میں میں نے اللہ تعالیٰ سے اس کا سوال کیا ہے۔ میرے لیے حکومت میں کوئی راحت نہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طریقت کے اسی گفت و شنود و اسرار منسوب ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا، لوگوں کی ہم نشینی سے گوشہ نشینی میں راحت و سکون ہے۔ یعنی گوشہ نشینی دو طریقے سے ہوتی ہے۔ ایک لوگوں سے کنارہ کشی کرنے سے اور دوسری ان سے تعلق ختم کرنے سے۔ لوگوں کی صحبت یہ ہے کہ ان سے الگ ہو کر تنہائی میں بیٹھ جائے اور ظاہری طور پر ہم نشینوں کی صحبت سے بیزار ہو جائے اور اپنے اعمال کے عیب دیکھنے سے آرام ہے اور لوگوں کے ملنے جلنے سے اپنے آپ کو بچائے لیکن لوگوں سے قطع تعلق کرنے کی صورت دل سے ہے اور دل کی کیفیت یہ ہو کہ وہ ظاہر سے کوئی تعلق نہ رکھے۔

جب ابتدا میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام قبول کرنے کی بشارت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دی اور عرض کیا اے سید عالم! آسمان والے آج حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کی بشارت دیتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جس دن بلوائیوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کا محاصرہ کیا اور آپ کے مکان کے دروازے کے سامنے جمع ہو گئے تو آپ کے غلاموں نے ہتھیار اٹھا لیے۔ اس وقت آپ نے غلاموں سے فرمایا۔ آج جو ہتھیار نہ اٹھائے وہ میری غلامی سے آزاد ہے۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ ہم خوف سے باہر نکل آئے۔ اسی دوران حضرت امام حسن علیہ السلام آئے اور پھر ان کے ساتھ دوبارہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آ گئے۔ امام حسن علیہ السلام نے اندر داخل ہو کر سلام کیا اور بلوائیوں کی حرکت پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا، اے امیر المومنین! میں آپ کے حکم کے بغیر تلوار نہیں اٹھا سکتا۔ آپ امام برحق ہیں آپ حکم دیں تاکہ آپ سے اس قوم کی بلا دور کر دوں۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، اے میرے بھائی کے فرزند! تم

لوٹ جاؤ! اپنے گھر میں آرام کرو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ جائے۔ ہمارے لیے لوگوں کا خون بہانے کی ضرورت نہیں۔

قرۃ العین زہرا ابو محمد الحسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فتنوں نے جب زور پکڑا اور فرقہ اعتزال دنیا میں پھیلا تو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں خط لکھا:

"اے ابن رسول ﷺ! آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں، آپ پر خدا کی سلامتی اور اس کی رحمت و برکت ہو۔ آپ تمام بنی ہاشم ہی اس کشتی کی مانند ہیں جو گہرے اندھیرے میں جاری ہو اور آپ ہدایت کے روشن ستارے ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے ہیں۔ آپ ہی مرکز و ارشاد میں سے ایک ہیں جس نے آپ کی پیروی کی نجات پائی۔ آپ کشتی نوح کی مانند ہیں جس مسلمان نے اس میں پناہ لی وہ نجات پا گیا۔ اے فرزند رسول ﷺ! ہمیں تقدیر کے بارے میں پریشانی لاحق ہے اور اس سے اپنی استطاعت میں جو اختلاف کیا ہے اس کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے۔ آپ ہماری رہنمائی فرمائیں اور بتائیں کہ آپ کی کیا رائے ہے کیونکہ آپ اولاد رسول ہیں۔ آپ ہی اپنے علم سے ہرگز بے بہرہ نہیں کیے گئے ہو اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم عطا فرمایا ہے وہ آپ کا محافظ و نگہبان ہے اور آپ ہم سب لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے محافظ و نگہبان ہیں۔"

حضرت امام حسن علیہ السلام نے اس خط کے جواب میں لکھا:

بعد اسم الٰہی کے تم نے جو کچھ اپنی پریشانی اور ہماری امت کی حیرانی کے بارے میں لکھا ہے اس میں میری رائے یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقدیر پر ایمان نہیں رکھتا وہ کافر ہے۔ جو اللہ کی نافرمانی کو اس کے حوالے سے کرتا ہے وہ فاسق و فاجر ہے یعنی تقدیر کا انکار قدریوں کا مذہب ہے اور معاصی و نافرمانی کے سپرد کرنے کا مذہب جبریوں کا ہے۔ بے شک نہ جبر سے اطاعت ہے اور نہ غلبے سے فرمان۔ گنہگار ہوتا ہے نہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے ملک میں مہمل و بیکار چھوڑتا ہے لیکن وہ ان ملکیتوں کا مالک ہے جو بندوں کے اختیار میں نہیں اور وہ ان اقتدار و طاقت پر قادر ہے جو ان کے تصرف میں ہیں۔ اگر وہ اطاعت کرنا چاہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں اس سے باز نہیں رکھتا اور نہ اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کا محتاج ہے۔ اگر وہ نافرمانی کرنا چاہیں اور خدا کی مشیت یہ ہو کہ ان پر احسان فرمائے تو ان کے اور گناہ کے درمیان حائل کر دیتا ہے۔ اب اگر وہ گناہ کا ارتکاب کریں تو یہ بات نہیں ہے کہ خدا نے انہیں مجبور کر دیا تھا اور جبر سے وہ فعل ان کے درمیان لازم کیا۔ یہاں پر دلیل و حجت کے طور پر اگر وہ اسے تسلیم کریں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے راہ ہدایت واضح کر دی ہے تاکہ وہ امر معروف کریں اور منہیات سے بچیں!

حضرت امام حسن علیہ السلام دارالخلافہ کوفہ میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک دیہاتی آیا اور آپ کے والدین اور آپ کو برا کہنے لگا۔ اس کی بات سن کر آپ اٹھے اور فرمایا:

اے دیہاتی! کیا تو بھوکا ہے یا تجھے کوئی اور تکلیف پہنچی ہے۔

اس نے پھر آپ کو اور آپ کے والدین کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اس پر حضرت امام حسن علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا، ایک طشت چاندی کا بھر لاؤ۔ خادم طشت چاندی سے بھر کر لایا تو آپ نے اسے دیتے ہوئے کہا:

یہ لو اور یقین کرو اس سے زیادہ اس وقت گھر پر موجود نہیں، ورنہ اس سے کہیں زیادہ دینے سے گریز نہ کرتا۔

دیہاتی نے آپ کی یہ بات سنی تو کہنے لگا اے ابن رسول ﷺ! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ یقیناً ابن رسول ہیں۔ آپ کی خدمت میں میں صرف آپ کے علم و بردباری کی آزمائش کرنے آیا تھا۔

امام حسین علیہ السلام

ایک دن ایک شخص حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا اے فرزند رسول ﷺ! میں ایک نادار شخص ہوں میرے بچے بھوکے ہیں۔ مجھے اپنے پاس سے رات کے کھانے کے لیے کچھ عنایت فرما دیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا! بیٹھ جاؤ، میرا رزق ابھی راستے میں ہے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں سے ایک شخص اشرفیوں کی پانچ تھیلیاں لے کر آیا، ہر تھیلی میں پانچ ہزار اشرفیاں تھیں۔ لانے والے نے کہا امیر معاویہ معذرت خواہ ہیں اور کہتے ہیں کہ فی الحال ان کو تو آپ اپنے خدام پر خرچ کریں یہاں تک کہ اس سے زیادہ پھر حاضر ہوں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس نادار شخص کی طرف اشارہ فرمایا اور پانچوں تھیلیاں اسے عطا کرتے ہوئے فرمایا۔ میں معذرت خواہ ہوں کہ میں نے تمہیں انتظار کی زحمت دی صرف اتنا ہی ہے جو حقیر عطیہ تمہیں ملا ہے۔ اگر میں جانتا کہ اتنی قلیل مقدار میں ہے تو تمہیں انتظار نہ کراتا۔ اب مجھے معذور جانو، ہم تو اہل بلا سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنی بنیادی ضروریات کو چھوڑ رکھا ہے اور اپنی راحتوں کو فنا کر کے دوسروں کی زندگیوں کے خوشگوار ہیں۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے اہل و عیال اور رفیقوں سمیت کربلا میں شہید کر دیے گئے تو حضرت امام زین العابدین کے سوا کوئی نہ بچا جو مستورات حرم کا محافظ ہو۔ اس وقت آپ بیمار تھے اور انہیں بغیر کجاوے کے اونٹ کی ننگی پیٹھ پر سوار کرا کے دمشق لایا گیا تو یزید کے دربار سے کسی نے ان سے پوچھا،

اے رحمت کے گھرانے والے! تم نے صبح کیسے کی؟

آپ نے فرمایا، ہم نے اپنی قوم میں اسی طرح صبح کی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے فرعونیوں میں صبح کی تھی کہ فرعونیوں نے ان کے بچوں کو تو قتل کر دیا لیکن ان کی عورتوں اور لڑکیوں کو زندہ رکھا۔ لہٰذا ہم نہیں جانتے کہ اس امتحان کا اپنے باپ علیہ السلام کے مقابلے میں کیا حقیقت رکھتے ہیں، ہم خدا کی مخلوق پر شکر بجا لاتے ہیں اور اس کی بلاؤں مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں۔

ایک سال ہشام بن عبدالملک بن مروان بڑی شان و شوکت سے حج کرنے آیا۔ بادشاہ ہشام بن عبدالملک بن مروان شاہانہ انداز سے کر رہا تھا اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے کسی بت کے آگے پجاری جمع ہو گئے ہیں۔

وہ طواف کعبہ میں مشغول تھا اور چاہتا تھا کہ حجر اسود کو بوسہ دے لیکن لوگوں کے ہجوم میں اسے راستہ نہ ملا اور الگ کھڑا ہو کر خطبہ دینے لگا۔ اسی دوران حضرت امام زین العابدین مسجد حرام میں اس شان و شوکت سے داخل ہوئے کہ ان کا چہرہ و رخسار منور اور آپ کا لباس معطر تھا۔ آپ نے طواف شروع کیا۔ جب آپ حجر اسود کے نزدیک پہنچے تو لوگ ان کے احترام و تعظیم میں حجر اسود سے پیچھے ہٹ گئے اور آپ

ایک راستہ بن گیا اور آپ حجرِ اسود کو بوسہ دے سکے۔

شامیوں نے جب آپ کی یہ شان و شوکت دیکھی تو ہشام سے کہنے لگے امیر المومنین تھیں تو لوگوں نے حجرِ اسود کو بوسہ دینے کے لیے راہ نہ دی حالانکہ تم امیر المومنین ہو اور یہ خوبرو نوجوان جب آیا تو سب ہٹ گئے اور اس کے لیے راستہ چھوڑ دیا یہ سن کر ہشام نے کہا میں اسے نہیں جانتا کہ یہ کون ہے۔

اس انکار سے ہشام کا مقصد یہ تھا کہ شامی لوگ انہیں پہچان نہ سکیں اور ان کے گرویدہ ہو کہیں ان کی امامت کا اشتیاق نہ پیدا ہو جائے۔ شاعر فرزدق اس وقت وہاں کھڑا تھا اس نے بے اختیار ہو کر کہا،

میں انہیں خوب جانتا ہوں۔

شامی کہنے لگے اے ابا الفراس بتائیں بھلا یہ کون ہے، اس سے پہلے اس ہیبت و دبدبے والا انسان ہم نے کہیں نہیں دیکھا۔

فرزدق شاعر نے کہا، کان لگا کر سنو تو پھر میں ان کا حال اور ان کے حسب نسب کو بیان کر دوں، اس کے بعد انہوں نے فی البدیہہ یہ قصیدہ موزوں کیا۔

یہ وہ شخص ہے جس کے نشانِ قدم بطحا والے جانتے ہیں اور خانہ کعبہ و حرم اسے جانتے ہیں۔

یہ شخص اللہ کے سارے بندوں میں سب سے زیادہ افضل بندے کا فرزند ہے۔ یہ پرہیزگار پاکیزہ اور نیکی میں مشہور شخص ہے۔

یہ حضرت رسول فاطمۃ الزہراء کے فرزند کا فرزند ہے اگر تم ناواقف ہو تو ان کے نانا پر اللہ تعالیٰ نے سلسلہ نبوت ختم فرمایا۔

ان کی منور پیشانی سے اس طرح ہدایت اس طرح جلوہ فگن ہے جس طرح آفتاب کی روشنی سے تاریکیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

یہ اپنی آنکھیں تو حیا سے نیچی رکھتا اور لوگوں کی آنکھیں اس کے دبدبے سے جھکی رہتی ہیں اسی لیے رعب و دبدبہ ہٹانے کے لیے جس کو کلام کرتا ہے۔

جب کوئی قریشی انہیں دیکھتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ ان کی بزرگی پر تمام بزرگیاں ختم ہیں عزت و منزلت کی اس بلندی پر فائز ہیں جہاں عرب و عجم کے مسلمان ان سے فخر کا کسب حاصل کرتے ہیں۔

ان کے نانا کی فضیلت تمام نبیوں کی فضیلتوں سے زیادہ ہے ان کی فضیلت سب امتوں سے زیادہ ہے۔

ان کے ہاتھ میں خیزران کی چھڑی ہے جس کی خوشبو دلنواز ہے۔ ان کی ہتھیلی کی خوشبو ہر طرف پھیل رہی ہے۔

دم اخلاق رہتے ہیں۔ ہاں اگر مشرف کلام سے ڈر نہیں۔ یہ اپنی دو خوبیوں حسن اخلاق اور عادات سے مزین ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے ان کی فضیلت نکلی ہے ان کے عناصر اور خو پاکیزہ ہے۔

اے ہشام تیرا انکار انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، انہیں تو عرب و عجم پہچانتا ہے ان کے دونوں ہاتھ فریاد رس ہیں اور ان کا فیض عام ہے۔ یہ ہاتھ بے انتہا بخشش کرنے کے باوجود خالی نہیں ہوتے۔

مخلوقِ خدا پر ان کا احسان عام ہے جس سے گمراہی، تنگدستی اور ظلم پراگندہ ہو چکے ہیں۔ کوئی کوشش کرنے والا ان کی کوشش کی حد تک پہنچ نہیں سکتا اور کوئی قوم ان کا ہمسر نہیں ہو سکتی خواہ وہ کتنی ہی بلند ہو۔

قحط سالی کے وقت یہ موسلا دھار بارش ہیں، شیر ببر ہیں اور سخت گرم ایام میں رحم دل ہیں۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن سے محبت دین ہے اور ان سے عداوت کفر ہے۔ ان کا قرب باعث نجات اور جائے پناہ ہے۔

اگر پرہیزگاروں کا شمار کیا جائے تو یہ سب کے امام ہیں، اگر اہل زمین سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جائے تو یہی کہا جائے گا کہ یہی ہیں۔ ان کے نزدیک تونگری اور مفلسی دونوں ایک برابر ہیں، ان کے ہاتھوں کی فراخی تنگدستی کم نہیں کر سکتی۔ اللہ نے انہیں شرافت و عزت سے فضیلت دی ہے۔ یہ حکم فضیلت لوح و قلم میں بھی جاری ہوا۔

ذکر الٰہی کے بعد ان کا ذکر مقدم ہے۔ ہر بیان میں انہی کا ذکر گونج رہا ہے۔

وہ کون سا قبیلہ ہے جس کی گردن پر ان کے اور ان کے اجداد کا احسان نہیں ہے۔

فرزدق کے ان اشعار پر ہشام نے انہیں گرفتار کر لیا اور عسفان کے جیل خانہ میں بند کر دیا یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ یہ خبر حضرت امام زین العابدین کو ملی تو انہوں نے فرمایا،

بارہ ہزار درہم ان کے پاس لے جاؤ اور ان سے کہو اے ابا الفراس ہمیں معذور سمجھ کر ہم تنگدست ہیں اس سے زیادہ ہمارے پاس نہیں تھا جو تمہیں دے سکتے۔

فرزدق کو جب یہ بارہ ہزار درہم ملے تو اس نے واپس دیتے ہوئے کہا،

اے فرزندِ رسول اللہ! میں نے بادشاہوں اور امیروں کی تعریف میں بہت سے اشعار کہے ہیں اور ان شعروں میں محض مدح سرائی کا گناہ تھا اب اس کے کفارہ میں چند اشعار خدا کے لیے فرزندانِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں عرض کیے ہیں۔

جب یہ پیغام اور بارہ ہزار درہم حضرت امام زین العابدین کو واپس ملے تو انہوں نے دوبارہ ابا الفراس فرزدق کے پاس لے جانے کا حکم دیا اور فرمایا،

ابا الفراس اگر تم ہم سے محبت رکھتے ہو تو اسے قبول کر لو اور اسے اپنے اوپر کرم سمجھو، ہم جو چیز اپنی ملک سے نکال کر کسی کو دے دیں اسے واپس نہیں لیتے۔

فرزدق نے یہ درہم قبول کر لیے اور احسان مندی کے اظہار کے لیے اشعار کہے۔

سیدنا امام ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وقت کے حکمران نے ایک دن آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا اور آپ کو کسی ذریعہ بلوایا۔ جب آپ اس کے پاس پہنچے تو وہ معذرت کرنے لگا اور تحائف پیش کر کے عزت کے ساتھ واپس بھیج دیا۔

لوگوں نے حکمران سے پوچھا،

اے بادشاہ! تو نے تو انہیں شہید کرنے کے لیے بلوایا تھا لیکن تم نے اس کے برعکس سلوک کیا ہے اور اس کی وجہ کیا ہے؟

حکمران نے کہا، جب وہ میرے قریب آئے تو میں نے دو شیروں کو دیکھا جو ان کے دائیں بائیں کھڑے تھے اور مجھ سے کہہ رہے تھے کہ اگر تم نے انہیں ہلاک کیا تو ہم تجھے ہلاک کر دیں گے۔

جب رات کا ایک پہر گزر جاتا اور آپ اوراد و وظائف سے فارغ ہو جاتے تو اس وقت اونچی آواز میں مناجات کرتے۔

اے خدا! اے میرے مالک! رات آ گئی ہے اب بادشاہوں کا تصرف ختم ہو چکا ہے۔ آسمان پر ستارے جگمگانے لگے ہیں لوگ سو چکے ہیں، مخلوق گھروں میں بند ہو چکی

ہے ان کی آنکھیں آبدیدہ ہو گئی ہیں ان کی آنکھیں بند ہو گئی ہیں۔ مخلوق لوگوں کے دروازوں سے ہٹ گئی ہے اور جو اشیا آرام کر رہے ہیں۔ انھوں نے خزانوں کے دروازوں کو بند کر کے محافظوں کو کھڑا کر دیا ہے جو لوگ ان سے حرص و لالچ رکھتے ہیں اب وہ بھی ان سے دور ہیں۔

اے میرے خدا! تو زندہ و پائندہ ہے، دیکھنے اور جاننے والا ہے تجھ پر اونگھ اور نیند حرام ہے جو تجھے ایسا نہ جانے وہ کسی نعمت کا حق دار نہیں۔ اے خداوند کریم! کوئی چیز تجھے کسی چیز سے نہیں روک سکتی، رات دن تیری بقا میں حائل نہیں ہو سکتے۔ تیری رحمت کے دروازے ہر مانگنے والے پر کھلے ہیں اور تیرے خزانے تیری حمد و ثنا کرنے والے پر وقف ہیں تو ایسا مالک حقیقی ہے کہ کسی سائل کو محروم رکھنا تیری شان کے لائق نہیں جو مومن تیری بارگاہ میں دعا مانگے تو اسے رد نہیں فرماتا اور زمین و آسمان میں کسی سائل کو محروم نہیں رکھتا۔ اے میرے خدا! جب موت، قبر اور روز حساب کو یاد کرتا ہوں تو دنیا میں دل کس طرح راحت پذیر ہو سکتا ہے۔ لہٰذا تجھی سے درخواست کرتا ہوں اور تجھی کو فریاد رس جانتا ہوں اور تجھی سے مانگتا ہوں جو کہ میری حاجت ہے میری عرض یہ ہے کہ موت کے وقت عذاب سے محفوظ رکھنا اور حساب کے وقت راحت عطا فرمانا۔

یہ مناجات کرتے اور تمام رات روتے۔ ایک رات کسی حضرت کیفیت سے عرض کیا اے میرے اور میرے ماں باپ کے سردار! آپ کب تک یوں گریہ زاری اور سینہ افگاری کرتے رہیں گے۔

آپ نے فرمایا، اے دوست! سیدنا یعقوب علیہ السلام کا ایک یوسف گم ہوا تھا تو وہ اتنا روئے تھے کہ آنکھوں کی بینائی جاتی رہی اور آنکھیں سفید ہو گئیں میرے تو اٹھارہ افراد اپنے والد ماجد حضرت امام حسین علیہ السلام اور دیگر شہدائے کربلا گم ہو گئے ہیں۔ کیا میں ان سے کم ہوں جو ان کے فراق میں آنکھیں سفید نہ کروں۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ایک دن حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے ابن رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے میرا دل سیاہ ہو گیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ اے ابا سلیمان! (حضرت داؤد کی کنیت) تم تو اپنے عہد کے ظاہر زاہد ہو تمہیں میری نصیحت کی کوئی ضرورت نہیں۔

حضرت داؤد طائی نے دوبارہ عرض کیا، اے فرزند رسول! آپ کو ساری مخلوق پر فضیلت حاصل ہے اور آپ پر سب کو نصیحت فرمانا واجب ہے۔

حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا، اے ابا سلیمان! میں اس لیے خوف زدہ ہوں کہ کل قیامت کے دن میرے جد کریم علیہ السلام کہیں مجھ سے باز پرس نہ کریں کہ تم نے صحیح اتباع کا حق ادا نہیں کیا اور یہ معاملہ نسب سے متعلق ہے اور نہ نسبت تو اسے بلکہ یہ معاملہ تقویٰ کی پیروی کرنے سے متعلق ہے۔

یہ سن کر حضرت داؤد طائی آبدیدہ ہو گئے اور کہنے لگے اے خدا! جس شخص کا خمیر ہی نبوت کے پانی سے بنا اور جس کی طبیعی نشو و نما ہوا اپنے جد کریم علیہ السلام کے برہان و حجت کے اصول سے ہے جس کی ماں مطہرہ بتول ہیں اور جن کا نام علی ابن طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے وہ جب اتنے خود حیرانی و پریشانی میں ہیں تو داؤد کس گنتی میں ہے وہ کب اپنے زہد و تقویٰ میں مغرور ہو سکتا ہے۔

ایک دن حضرت امام جعفر صادق اپنے خادموں کے ساتھ تشریف فرما تھے آپ نے فرمایا! آؤ تم سب مجھ سے بیعت و عہد کرو کہ تم میں سے کوئی بھی جب ہم میں سے نجات پا لے تو وہ قیامت کے دن میری شفاعت کرے۔ سب عرض کرنے لگے۔

اے ابن رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو ہماری شفاعت کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کے جد کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو خود ساری مخلوق کے شفیع ہوں گے۔

آپ نے فرمایا میں اپنے اعمال سے شرمندہ ہوں اور روز قیامت اپنے جد کریم علیہ السلام کے روبرو کھڑے ہونے کی طاقت نہیں رکھتا۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات ظاہری میں تھے آپ کو دو چیزوں نے دیدار جمال رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روکے رکھا ایک آپ کا غلبۂ حال تھا اور دوسرا آپ کی والدہ کا حق تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا۔

اویس نامی قرن میں ایک مرد خدا ہے جس کی شفاعت سے قیامت کے دن قبیلہ ربیعہ اور مضر کی بھیڑوں کے بالوں کی تعداد کے برابر میری امت جنت میں داخل ہو گی۔ پھر حضور نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تم اسے دیکھو گے، وہ میانہ قد، لمبے بال والا ہے اس کی بائیں جانب کی بغل سفید داغ والا شخص ہو گا۔ یہ سفیدی کا داغ برص کی قسم کا نہ ہو گا۔ ایسا ہی سفید داغ اس کی ہتھیلی پر ہو گا، وہ ربیعہ و مضر کی بکریوں کی تعداد کے برابر میری امت کی شفاعت کرے گا۔ جب تم ان سے ملاقات کرو تو میرا سلام پہنچا کر کہنا کہ میری امت کے لیے دعا کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ساتھ کوفہ آئے تو انھوں نے اپنے خطبہ میں فرمایا، اے نجد کے رہنے والو کھڑے ہو جاؤ۔ سب لوگ اٹھ کھڑے ہو گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت فرمایا تم میں کوئی قرن کا رہنے والا ہے؟

آواز آئی۔ ہاں!

اس کے بعد کچھ لوگ سامنے آئے جن سے حضرت اویس قرنی کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ وہ ایک دیوانہ ہے جو کبھی آبادی میں نہیں آتا اور نہ ہی کسی سے ملتا ہے عام لوگوں کی طرح کھاتا پیتا نہیں ہے اور دوسرے کھاتے ہیں وہ نہیں کھاتا، نہ ہی اسے خوشی کا احساس ہے نہ غم کا۔ لوگ ہنستے ہیں تو وہ روتا ہے، لوگ روتے ہیں تو وہ ہنستا ہے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ اس سے ملنا چاہتا ہوں۔

لوگوں نے کہا وہ جنگل میں ہمارے اونٹوں کے پاس ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر فاروق اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کھڑے ہو گئے اور لوگوں کے ساتھ جنگل میں آئے تو اس وقت حضرت اویس قرنی نماز ادا کر رہے تھے۔

نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور فاروق اعظم نے سلام عرض کیا اور ان کی ہتھیلی پر سفید نشان دیکھ کر دعا کے طلبگار ہو کر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام اور امت کے لیے دعا کرنے کی وصیت پہنچائی۔ کچھ دیر ان کے پاس رہے۔ حضرت اویس قرنی نے فرمایا، آپ نے خواہ مخواہ تکلیف فرمائی ہے۔ اب جائیے، قیامت نزدیک ہے، وہاں ایسا دیدار نصیب ہو گا جو کبھی ختم نہ ہو گا۔ اب میں قیامت کا راستہ بنانے اور اعمال کرنے میں مصروف ہوں۔

جب قرن کے رہنے والوں کو یہ معلوم ہوا کہ دو عظیم المرتبت صحابی حضرت اویس قرنی کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچانے آئے تھے تو انھیں احساس ہوا کہ

حضرت اویس قرنیؓ کس اعلیٰ مرتبے کے انسان ہیں۔ وہ حضرت اویس قرنیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ وہاں سے کوفہ کی طرف روانہ ہو چکے تھے، جہاں انھیں صرف ہرم بن حیان نے ایک مرتبہ دیکھا۔ اس کے بعد کسی کو نظر نہ آئے اور آخری وقت انھیں جنگ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حمایت میں دشمنوں سے لڑتے ہوئے دیکھا گیا اور اسی جنگ میں شہید ہوئے۔

حضرت ہرم بن حیانؒ

جنھیں صحابہ کرام کی مجلس میں بیٹھنے کا شرف حاصل تھا۔ ایک دن حضرت اویس قرنی سے ملنے کا ارادہ کر کے قرن پہنچے تو وہ وہاں سے جا چکے تھے، مایوس ہو کر مکہ کو آئے جہاں انھیں معلوم ہوا کہ حضرت اویس قرنیؓ کوفہ میں ہیں۔ اسی وقت کوفہ پہنچے لیکن پھر بھی زیارت سے محروم رہے اور کافی عرصہ تک کوفہ میں مقیم رہے۔ ایک روز بصرہ جانے کے لیے کوفہ سے روانہ ہونے لگے تو اچانک فرات کے کنارے انھیں حضرت اویس قرنیؓ کھڑے نظر آئے جو جبہ پہنے وضو کر رہے تھے۔ حضرت ہرم بن حیانؒ نے فوراً انھیں پہچان لیا۔ وہ فرات کے کنارے سے دور آ کر اپنی ریش مبارک میں کنگھی کرنے لگے تو ہرم بن حیانؒ نے سامنے آ کر سلام کیا۔ حضرت اویس قرنیؓ نے فرمایا: علیکم السلام یا ہرم بن حیان۔

ہرم بن حیان نے پوچھا آپ نے مجھے کیسے پہچان لیا کہ میں ہرم ہوں۔

فرمایا، میری روح نے تمھیں پہچان لیا۔ حضرت ہرم بن حیان کافی دیر تک زیارت سے فیض یاب ہوتے اور چلے گئے۔ حضرت ہرم فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ سے اکثر حضرت اویس قرنیؓ کے بارے میں باتیں ہوتی تھیں۔ میں نے حضرت اویس قرنیؓ سے بروایت حضرت عمر فاروقؓ سنا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ حضور نے ارشاد فرمایا:

"بلاشبہ ہر عمل کا انحصار نیتوں پر ہے۔ ہر شخص کو اس کی نیت کا پھل ملے گا۔"

صبر کی قسمیں

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک دیہاتی حاضر ہوا اور استفسار کیا کہ صبر کی کتنی قسمیں ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، صبر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ بلا اور مصیبت میں صبر کیا جائے اور دوسری یہ کہ جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے ان پر صبر کیا جائے۔ جن چیزوں کے پیچھے چلنے سے منع فرمایا ہے انھیں ترک کرے۔ یہ سن کر دیہاتی نے کہا، آپ بہت بڑے زاہد ہیں۔ میں نے آپ سے بڑھ کر زاہد کوئی نہیں دیکھا۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا:

اے دیہاتی! میرا زہد مرغوب چیزوں میں ہے اور میرا صبر بے قراری میں ہے۔

دیہاتی نے کہا، آپ اس کی وضاحت فرمائیں کیونکہ میرا عقیدہ منتشر ہو گیا ہے۔

حضرت بصریؒ نے فرمایا: بلاشبہ میرا صبر کرنا اور خدا کی منع کردہ چیزوں سے دور رہنا یہ اطاعت الٰہی ہے کیونکہ یہ دوزخ کی آگ کے خوف سے ہے اور یہی بے قراری ہے۔ دنیا میں جو میرا زہد ہے وہ آخرت کی رغبت کی وجہ سے ہے اور یہی عین رغبت ہے۔ خوشی کی بات تو یہ ہے کہ دنیا میں اپنے نصیب کو حاصل کر کے جا کر اس کا صبر اللہ تعالیٰ کے لیے ہو نہ کہ اپنے جسم کو دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے ہو اور اپنا زہد خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو نہ کہ بہشت میں جانے کی خواہش کے لیے ہو۔

حرام و حلال

اکثر عرفاء تابعین میں سے رئیس الصلحاء سیدنا سعید ابن المسیب ایک روز محکمہ میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر پوچھا، مجھے بتلائیے کہ وہ کون سا حلال ہے جس میں حرام نہ ہو اور وہ کون سا حرام ہے جس میں حلال نہ ہو۔

آپ نے فرمایا، خدا کو یاد کرنا ایسا حلال ہے جس میں حرام بالکل نہیں ہے اور غیر اللہ کو یاد کرنا ایسا حرام ہے جس میں حلال بالکل نہیں ہے۔ اس لیے ذکر الٰہی میں نجات ہے اور ذکر غیر میں ہلاکت ہے۔

سیدنا حبیب العجمی رحمۃ اللہ علیہ

سیدنا حضرت بصریؒ ایک روز حضرت حبیب العجمیؒ کی خانقاہ کی طرف گزرے۔ انھیں دیکھتے ہی حضرت حبیب العجمیؒ نے اقامت شروع کر دی۔ جب حسن بصریؒ نماز کے لیے داخل ہوئے تو آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ سیدنا حضرت بصریؒ نے ان کی اس لیے اقتداء نہ کی کہ قرآن کریم کی تلاوت میں عربی ان کی زبان سے صحیح طور پر ادا نہیں ہوتی تھی۔ رات کو جب سیدنا حسن بصریؒ کو خواب میں دیدار الٰہی ہوا اور انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ خدایا! تیری رضا کس چیز میں ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے حسن تو نے میری رضا پائی تھی مگر اس کی قدر نہ جانی۔

حضرت حسن بصریؒ نے عرض کیا خدایا، وہ کون سی رضا تھی؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اگر تم حبیب العجمیؒ کی اقتداء میں نماز پڑھتے تو اس کی نیت کی درستی اس کی عبادت کے معتبر ہونے کا انکار سے محفوظ رکھتی اور میں تجھ سے راضی ہو جاتا۔

جب سیدنا حسن بصریؒ حجاج کے ظلم سے تنگ آ کر حبیب عجمیؒ کی خانقاہ میں تشریف لائے تو حجاج کے سپاہی بھی انھیں تلاش کرتے ہوئے وہاں پہنچ گئے اور حضرت حبیبؒ سے پوچھا۔

اے حبیب! تم نے حسن بصریؒ کو کہیں دیکھا ہے؟

فرمانے لگے، ہاں!

سپاہیوں نے کہا، کس جگہ پر ہیں۔

فرمایا، میرے حجرے میں ہیں۔

سپاہی حجرے میں گئے لیکن وہاں کسی کو نہ پا کر واپس آئے۔ انھوں نے سمجھا کہ حبیب عجمی نے ان سے مذاق کیا ہے۔ وہ برہم ہوئے اور کہنے لگے سچ بتاؤ کہ حسن بصری کہاں ہیں؟

حضرت حبیب عجمی نے قسم کھا کر کہا، میں سچ کہتا ہوں میرے حجرے میں ہیں۔ سپاہی دو تین بار حجرے میں گئے لیکن حضرت بصریؒ کو نہ دیکھ سکے اور واپس چلے گئے۔ حسن بصریؒ حجرے سے باہر آئے اور فرمایا۔

اے حبیب! میں کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمھاری برکت سے ان ظالموں کے چنگل سے بچا لیا لیکن یہ بتائیں کہ تم نے کیوں کہہ دیا کہ میں حجرے میں ہوں۔

حبیب عجمیؒ نے جواب دیا، اے مرشد حق! اللہ تعالیٰ نے میری برکت کی وجہ سے آپ کو ظاہر نہیں کیا بلکہ سچ بولنے کی وجہ سے خدا نے انھیں آپ کو نہ دکھایا۔ اگر جھوٹ

ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ہم دونوں کو رسوا کر دیا۔

سیدنا مالک بن دینارؒ

مالک بن دینارؒ حضرت حسن بصریؒ کے گہرے دوستوں میں تھے۔ ابتداء میں آپ غلام تھے اور پیدا ہوئے تو ان کے والد بھی غلام تھے۔ آپ کی توبہ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ایک رات آپ ایک جماعت کے ساتھ رقص و سرود کی محفل میں گئے۔ جب سو گئے تو جس طنبورے کو آپ بجا رہے تھے اس میں سے آواز آئی۔ اے مالک تیرا کیا حال ہے؟ کب تک توبہ نہ کرو گے؟

اسی وقت اٹھے اور حسن بصریؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر سچی توبہ کی اور اپنا حال درست کر لیا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کشتی میں سفر کر رہے تھے کہ کشتی میں ایک تاجر کا موتی گم ہو گیا اور تاجر نے مالک بن دینارؒ پر شک کیا۔ کشتی پر سوار تمام لوگ آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپ نے آسمان کی طرف چہرہ اٹھایا۔ اسی وقت دریا میں جتنی مچھلیاں تھیں سطح آب پر ابھر آئیں اور ہر ایک کے منہ میں موتی تھا۔ آپ نے ایک مچھلی کے منہ سے موتی لیا اور تاجر کو دے دیا۔ اس کے بعد آپ نے کشتی میں سے قدم باہر نکالا اور دریا کی سطح پر چلتے ہوئے پار ہو گئے۔

حضرت حبیب بن اسلمؒ

حضرت حبیب بن اسلمؒ بکریاں پالتے تھے اور فرات کے کنارے بیٹھے تھے۔ ان کا طریقہ عزلت گزینی تھا۔ ایک بزرگ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ فرات کی طرف سے میرا گزر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ خود تو نماز میں مشغول ہیں اور ایک بھیڑیا ان کی بکریوں کی رکھوالی کر رہا ہے۔ دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ ان کی زیارت کی جائے۔ میں ان کے نماز سے فارغ ہونے تک وہیں کھڑا رہا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے آگے ہو کر سلام کیا۔

حضرت حبیب بن اسلمؒ نے پوچھا، بیٹا کس کام سے آئے ہو۔

میں نے کہا۔ آپ کی زیارت کے لیے آیا ہوں۔

جزاک اللہ!

میں نے پھر عرض کیا، یا شیخ! بھیڑیے کو آپ کی بکریوں کے ساتھ موافقت دیکھتا ہوں؟

فرمانے لگے اس لیے کہ بکریوں کے چرواہے کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ موافقت ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے لکڑی کا ایک پیالہ پتھر کے نیچے رکھ دیا۔ پتھر سے اسی وقت دودھ اور شہد بہنے لگا۔ پیالہ بھر کر مجھے دیا اور فرمایا نوش کرو۔

میں نے عرض کیا آپ نے یہ مقام کس طرح پایا ہے۔

فرمانے لگے بسبب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے ذریعہ۔ اور اے بیٹا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم اگرچہ مخالفت کرتی لیکن پتھر نے ان کے لیے پانی دیا۔ حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے درجے کے نہ تھے۔ پھر میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانبردار ہوں تو آخر پتھر مجھے شہد اور دودھ کیوں نہ دے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں۔

میں نے پھر عرض کیا۔ مجھے کچھ نصیحت فرمائیں۔

آپ نے فرمایا اپنے دل کو حرص کا صندوق اور پیٹ کو حرام کی جگہ نہ بناؤ کیونکہ لوگوں کی ہلاکت انہی چیزوں سے ہے اور ان کی نجات ان کی حفاظت میں۔

ابو حازم المدنی رحمۃ اللہ علیہ

عمرو بن عثمان بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ لوگوں نے آپ سے پوچھا،

آپ کا مال کیا ہے؟

آپ نے فرمایا، میرا مال خدا کی رضا اور لوگوں سے بے نیازی ہے۔

ایک بزرگ بیان کرتے ہیں کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں سوتا دیکھ کر انتظار کرنے لگا کہ بیدار ہو جائیں۔ تھوڑی دیر بعد ابو حازم المدنی رحمۃ اللہ علیہ بیدار ہوئے اور فرمایا اس وقت میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے اور حضور پاک نے تمہارے لیے ایک پیغام دیا ہے۔ فرمایا ہے کہ ماں کے حق کی حفاظت کرنا حج کرنے سے بہتر ہے لوٹ جاؤ اپنی ماں کی خدمت کرو۔

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہؒ

ابتدائے حال میں امام ابو حنیفہؒ لوگوں سے بیزار ہو گئے اور گوشہ نشینی کا ارادہ کیا کہ لوگوں کے ہجوم سے نکل جائیں اور منصب و حشمت کے خیال کو دل سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی یاد میں تمام عمر گزار دیں۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ہڈیاں اکٹھی کر رہے ہیں۔ خواب کی ہیبت سے بیدار ہو گئے اور ایک صحابی سیدنا محمد بن سیرینؒ سے اس خواب کی تعبیر دریافت کی۔ انہوں نے فرمایا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اور آپ کی سنت کی حفاظت میں اس قدر بلند درجہ حاصل کرو گے گویا تم ان میں تصرف کرو گے اور صحیح کو غلط سے ممتاز کرو گے۔

دوسری مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ حضور پاک نے فرمایا، اے ابو حنیفہ! تمہیں میری سنت زندہ کرنے کے لیے زندہ کیا گیا ہے تم گوشہ نشینی کا ارادہ ترک کر دو۔

مشہور ہے کہ آپ کے زمانہ میں ابو جعفر المنصور خلیفہ تھا۔ اس نے یہ اہتمام کیا کہ امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری، مسعر بن کدام اور شریک میں سے کسی ایک کو قاضی بنا دے جو اعلیٰ درجہ کے معتبر عالم تھے۔ پیغام آیا کہ چاروں دربار میں آئیں۔ پیغام ملنے پر چاروں دربار کی طرف جا رہے تھے کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا، میں تم سے اپنی فراست کے مطابق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ سب نے کہا، آپ جو بھی فرمائیں گے درست ہو گا۔

ابو حنیفہؒ نے فرمایا میں کسی بہانے سے اس منصب قضا کو خود سے دور کر دوں گا مسعر بن کدام خود کو دیوانہ بنائیں، سفیان بھاگ جائیں اور شریک قاضی بن جائیں۔ چنانچہ سفیان ثوریؒ بھاگ گئے اور ایک کشتی میں گھس کر کہنے لگے، مجھے پناہ دو لوگ میرا سر کاٹنا چاہتے ہیں۔

ان کے کہنے کی وجہ یہ تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جسے قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔ ملاح نے سفیان ثوریؒ کو کشتی میں چھپا دیا۔ باقی تینوں حضرات خلیفہ کے دربار میں گئے۔ خلیفہ نے امام ابو حنیفہ سے کہا آپ کو قاضی ہونا چاہیے۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا، اے امیر! میں تو ایسا شخص ہوں جو عربی نہیں بلکہ ان کے غلاموں میں سے ہوں۔ عرب کے سادات میرے حکم پر راضی نہ ہوں گے۔

ابو جعفر نے کہا، یہ کام نسب و نسل سے تعلق نہیں رکھتا اس کے لیے علم درکار ہے اور آپ تمام علمائے زمانہ سے بڑھ کر ہیں۔

امام ابوحنیفہ نے جواب دیا میں اس وقت منصب کے لائق نہیں ہوں۔ میرا یہ کہنا کہ میں اس منصب کے لائق نہیں، اگر سچ ہے تو واقعی میں اس قابل نہیں ہوں اور اگر جھوٹا ہوں تو آپ جانتے ہیں کہ مسلمانوں کا قاضی نہیں ہونا چاہیے۔ تو خدا کی مخلوق پر حاکم ہے آپ جانتے ہیں کہ آپ نائب بنانا اور لوگوں کے اموال کا محافظ اور مسلمانوں کے معاملات کا منتظم کرنا زیب نہیں دیتا۔ امام ابوحنیفہ اس طرح اپنے منصب قضا سے نجات پانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد خلیفہ نے حضرت مسعر کو بلایا۔ انھوں نے خلیفہ منصور کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

اے منصور! تیرا کیا حال ہے اور تیرے اہل و عیال کیسے ہیں؟

منصور نے کہا: یہ تو دیوانہ ہے اسے باہر لے جاؤ۔ اس کے بعد خلیفہ منصور شریک کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا، یہ منصب تمھیں ملنا چاہیے۔

انھوں نے فرمایا، میں سوداوی مزاج کا آدمی ہوں اور میرا دماغ بگڑ رہا ہے۔ منصور نے کہا تم مزاج کے مطابق شربت لیتے رہو، علاج کرو تاکہ دماغ کو عقل کامل حاصل ہو۔ چنانچہ قاضی کا عہدہ شریک کو دے دیا گیا۔ سیدنا امام ابوحنیفہ نے انھیں چھوڑ دیا اور پھر کبھی ان سے بات نہ کی۔

سیدنا امام ابوحنیفہؒ فرماتے تھے کہ جب نوفل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور تمام لوگ حساب کی جگہ کھڑے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ حوض کوثر کے کنارے کھڑے ہیں اور آپ کے دائیں بائیں جلیل القدر مشائخ کھڑے ہیں۔ ان میں ایک بزرگ کو دیکھا جن کا چہرہ نورانی اور سر پر سفید بال تھے اور حضورؐ کے رخسار مبارک پر اپنا رخسار رکھے ہوئے ہیں اور ان کے برابر نوفل کو دیکھا جب نوفل نے مجھے دیکھا تو وہ میری طرف آئے اور سلام کیا۔ میں نے کہا، مجھے پانی دیجیے۔ انھوں نے کہا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لیتا ہوں۔ حضور نے اپنی انگشت مبارک سے اجازت مرحمت فرمائی چنانچہ انھوں نے مجھے پانی دیا اس سے کچھ میں نے پیا اور کچھ اپنے ساتھیوں کو پلایا لیکن اس پیالے کے پانی میں سے کچھ کم نہ ہوا۔ میں نے دریافت کیا، اے نوفل! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب کون بزرگ ہیں؟ نوفل نے جواب دیا سیدنا ابراہیم خلیل علیہ السلام ہیں اور حضور کے بائیں جانب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اسی طرح میں دریافت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ سترہ بزرگوں کے بارے میں پوچھا۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو ہاتھ کی سترہ گرہوں کی گنتی پر میری انگلی تھی۔

حضرت یحییٰ ابن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی سنت میں حضور کو کہاں تلاش کروں۔

آپ نے فرمایا، ابوحنیفہ کے علم کے پاس۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ملک شام میں سیدنا بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مؤذن مسجد نبوی کے سرہانے سویا ہوا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ میں ہوں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بزرگ کو آغوش میں اس طرح لیے ہوئے ہیں جیسے بچوں کو شفقت سے آغوش میں لیتے ہیں اور باب بنی شیبہ سے داخل ہو رہے ہیں۔ میں نے دوڑ کر حضور کے پائے اقدس کی پشت کو بوسہ دیا۔ میں متعجب و حیران تھا کہ یہ بزرگ کون ہیں۔ حضورؐ کو اپنی معجزانہ شان سے میری باطنی حالت اور دل کی پریشانی معلوم ہو گئی اور فرمایا، یہ تمھارے امام ہیں جو

تمھارے ملک میں ہیں یعنی امام ابوحنیفہ ہیں۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے جب علم حاصل کر لیا اور ایک جہان نے انھیں اپنا رہنما تسلیم کر لیا تو ایک دن سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

آپ ہدایت فرمائیں کہ اب کیا کروں؟

امام صاحب نے فرمایا، اب تم اپنے علم پر عمل کرو کیونکہ بغیر عمل کے علم ایسا ہے جیسے روح کے بغیر جسم ہوتا ہے۔

ابتدائی توبہ

حضرت عبداللہ بن المبارک مروزی رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی توبہ کا واقعہ ہے کہ آپ ایک باندی پر عاشق ہو گئے اور ایک رات آپ مستوں کے درمیان سے اٹھ کر ایک ساتھی کے ساتھ باندی کے مکان کی دیوار کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ باندی بھی چھت پر آ گئی۔ صبح ہونے تک دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور حضرت عبداللہ نے فجر کی اذان سنی تو گمان کیا کہ یہ عشا کی اذان ہے لیکن جب دن کا اجالا پھیلا تو احساس ہوا کہ وہ تمام رات باندی کے حسن کے نظارہ میں محو رہے ہیں۔ یہی احساس ان کے لیے تازیانہ ثابت ہوا اور اپنے آپ سے کہنے لگے۔

اے مبارک کے بیٹے! تجھے شرم کرنی چاہیے آج کی تمام رات محض اپنے نفس کے لیے پاؤں پر کھڑے گزار دی اور اس پر تو بندگی کے اعزاز کا طلبگار ہے اور اگر نماز میں امام سورۃ کو لمبا کر دے تو گھبرا جاتا ہے۔ پھر مومن ہونے کا دعویٰ بھی کرتا ہے۔ اسی وقت آپ نے توبہ کی اور علم کی تحصیل اور جستجو میں مشغول ہو گئے۔ انھوں نے اس قدر زہد و تقویٰ اختیار کیا کہ آپ ایک دن اپنی والدہ کے باغ میں گئے تو وہ سو رہی تھیں اور ایک سانپ ریحان کی ٹہنی منہ میں لے کر ان کے چہرہ پر سے مکھی اڑا رہا تھا۔ اس کے بعد وہ مقام مرو سے بغداد میں آ گئے۔ کچھ عرصہ یہاں کے مرشدوں کی صحبت میں رہ کر مکہ مکرمہ میں آئے اور مجاور بن گئے۔ وہاں سے مرو تشریف لے آئے اور مستقل سکونت اختیار کر لی۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا۔

آپ نے کون سی عجیب و غریب چیز دیکھی ہے؟

آپ نے فرمایا میں نے ایک راہب کو دیکھا جس کا جسم مجاہدوں سے گھل چکا تھا اور خوف خدا سے کبڑا ہو گیا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا اے راہب! خدا کی رسائی کونسی راہ ہے؟ اس نے جواب دیا، اگر تم اسے جانتے تو اس کی راہ بھی معلوم ہو جاتی۔ میں خوف زدہ ہوں کہ میں اسے نہیں جانتا اور نہ ہی پہچانتا ہوں اور تم اس کے بندوں کو ستم جانتے ہو۔

حضرت عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں کہ میں نے اس نصیحت کو گرہ میں باندھ لیا اور اس سے میں ناجائز افعال سے بچ رہا۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیدنا ابو علی فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فقرا میں بہت بزرگ اور ان کے پیشوا ہیں۔ شروع میں بڑے عیار اور رہزن تھے لیکن ان کی طبیعت ہر وقت اصلاح کی طرف مائل رہتی تھی جس قافلہ میں کوئی عورت ہوتی تو اس کے قریب تک نہ جاتے اور جس کے پاس تھوڑا اسباب ہوتا اس کا سامان نہ لیتے اور وہ ہر شخص کے پاس کچھ نہ کچھ رہنے

حضرت فضیلؒ دیتے۔ ایک واقعہ کا ذکر ہے کہ مرو سے ایک سوداگر سفر پر روانہ ہوا تو لوگوں نے ______ اُسے کہا کہ وہ اپنے ساتھ کوئی ہتھیار وغیرہ رکھے کیونکہ راستے میں فضیلؒ رہزنی کرتا ہے۔ سوداگر نے جواب دیا، میں نے سُنا ہے کہ وہ رحمدل اور خدا ترس مرد ہے۔ سوداگر نے معاوضہ پر ایک قاری بھی ساتھ لیا اور اونٹ پر سوار ہو کر سفر پر روانہ ہو گیا۔ دن بھر راستے میں قاری کلام پاک کی تلاوت کرتا رہا اور قافلہ اس مقام پر پہنچ گیا جہاں فضیلؒ تھے۔ قافلہ لوٹنے کے لیے گھات لگائے بیٹھے تھے۔ اتفاق سے قاری نے یہ آیت تلاوت کی۔ "کیا ابھی تک مومنوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ذکر اللہ سے ان کے دل ڈر جائیں؟" فضیلؒ نے جب یہ آیت سنی تو اس کے دل پر رقت طاری ہو گئی۔ فضل الٰہی نے ان کے دل پر نظر دکھایا اور اسی وقت رہزنی سے توبہ کر لی۔ جن جن لوگوں کے مال و اسباب لوٹے تھے ان کے نام جو معلوم تھے سب کو راضی کیا اور مکہ مکرمہ میں چلے گئے۔ اولیائے کرام کی صحبت میں رہے۔ کوفہ آئے تو امام ابوحنیفہؒ کی مجلس میں بیٹھنے لگے۔ ان سے جو روایات منقول ہیں جو محدثین میں بہت مستند ہیں۔ وہ حقائق تصوف و معرفت میں اعلیٰ درجہ کی گفتگو کرتے تھے۔

فضل بن ربیع بیان کرتے ہیں کہ میں ہارون رشید کے ساتھ مکہ مکرمہ میں تھا اور جب ارکان حج سے فارغ ہو گئے تو ہارون رشید نے مجھ سے کہا۔

عباس اگر کوئی مردِ خدا یہاں ہے تو میں اس کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔

میں نے کہا، ہاں ہے، اور میں ہارون الرشید کو عبدالرزاق صنعانی کے پاس لے گیا جہاں بڑی دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ رخصت ہونے لگے تو ہارون الرشید نے مجھے اشارہ کیا کہ ان سے دریافت کروں کہ اگر ان پر کوئی قرضہ ہو تو میں ادا کر دوں۔ میں نے عبدالرزاق صنعانی سے پوچھا تو انہوں نے کہا، ہاں! ہارون رشید نے مجھے حکم دیا کہ ان کا قرضہ ادا کر دیا جائے۔

باہر نکل کر ہارون رشید نے کہا "اے فضل! میرا دل چاہتا ہے کہ اس سے بڑے بزرگ کی زیارت کراؤ۔" یہ سن کر میں ہارون رشید کو حضرت سفیان بن عیینہ کے ہاں لے گیا۔ ان سے بھی دیر تک بات چیت ہوتی رہی جب واپس ہونے لگے تو ہارون رشید نے پھر مجھے اشارہ کیا کہ ان سے بھی قرضے کے بارے ______ میں دریافت کروں۔ چنانچہ جب میں نے دریافت کیا تو انہوں نے کہا، ہاں قرضہ ہے۔ ہارون رشید نے حکم دیا کہ ان کا قرضہ بھی ادا کر دیا جائے۔ اس کے بعد ہم باہر آگئے اور ہارون رشید نے مجھ سے کہا،

اے فضل! ابھی میرا مقصد حاصل نہیں ہوا کسی اور بزرگ کی زیارت کراؤ۔ میں نے کہا مجھے یاد آیا کہ یہاں حضرت فضیل بن عیاضؒ بھی ہیں۔ چنانچہ میں ہارون رشید کو حضرت فضیلؒ کے پاس لے گیا۔ وہ اس وقت بیٹھے گوشہ تنہائی میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔ میں نے دستک دی اور اندر سے آواز آئی، کون ہے؟

میں نے کہا، امیر المومنین ہیں۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ نے جواب دیا، مجھے امیر المومنین سے کیا سروکار۔

میں نے جواب میں کہا، سبحان اللہ! کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نہیں کہ کسی انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خود کو ذلیل کرے۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مقدس کمل صداقت ہے۔ لیکن رضائے الٰہی کے حصول میں دائمی عزت ہے اور تم مجھے اس حالت میں ذلیل گمان کرتے ہو، حالانکہ اطاعت الٰہی میں عزت ہی عزت ہے۔" فرمایا اور نیچے آکر دروازہ کھول دیا۔ پھر چراغ بجھایا اور ایک کونے میں کھڑے ہو گئے۔ ہارون رشید نے قدم بڑھا کر کہا جب فضیلؒ کے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے مس ہوئے تو فرمایا "ایسا نرم و نازک ہاتھ میں نے نہیں دیکھا۔ مجھے دکھ ہو گا اگر اس پر عذابِ الٰہی نازل ہو۔"

یہ سنتے ہی ہارون الرشید پر رقت طاری ہو گئی اور اتنا رویا کہ بیہوش ہو گیا۔ جب وہ ہوش میں آیا تو کہنے لگا، محترم فضیل! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔

حضرت فضیلؒ نے فرمایا، اے امیر المومنین! تیرا باپ حضرت عباس، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا۔ انہوں نے حضور سے درخواست کی کہ مجھے اپنی قوم کا امیر بنا دیجیے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور ارشاد فرمایا، اے چچا! میں نے تمہیں تمہاری جان کا امیر بنا دیا کیونکہ ایک سانس اطاعت الٰہی میں گزرے تو اس سے بہتر ہے کہ لوگ ہزار سال تک تمہاری فرمانبرداری کریں۔ اس لیے کہ قیامت کے دن امیری میں ندامت و شرمندگی کے سوا کچھ نہ ہو گا۔

ہارون رشید نے عرض کیا، کچھ اور بھی نصیحت فرمائیے!

حضرت فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا: "جب عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عوام نے خلافت پر فائز کیا تو انہوں نے سالم بن عبداللہ، رجاء بن حیوۃ اور محمد بن کعب القرظی ایسے چند مرتبہ دانشوروں کو طلب کیا اور ان سے فرمانے لگے کہ اس مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ ثواب کیا تدبیر اختیار کروں کیونکہ میں امارت کو مصیبت سمجھتا ہوں، حالانکہ لوگ اسے نعمت سمجھتے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک نے کہا۔

اے عمر بن عبدالعزیز! اگر تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رہنا چاہتے ہو تو مسلمان بزرگوں اور بوڑھوں کو اپنے باپ کی مانند، کم عمر جوانوں کو بھائی، بچوں کو اپنی اولاد کی مانند سمجھو اور ان سب کے ساتھ وہی سلوک کرو جس طرح کسی خاندان کا سربراہ اپنے باپ، اپنے بھائیوں اور بیٹوں کے ساتھ کرتا ہے کیونکہ یہ ساری اسلامی مملکت تمہارے گھر کی مانند ہے اور شہروں کے عوام تمہارے گھر والے ہیں۔ تم اپنے بزرگوں کی زیارت کرو، بھائیوں کی عزت کرو اور بچوں سے محبت کرو۔

اس کے بعد حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اے امیر المومنین! ایسا نہ ہو کہ تیرا یہ خوبصورت چہرہ دوزخ کی آگ میں جل جائے۔ خدا کا خوف رکھو اور اس کا حق اس سے بہتر انداز میں ادا کرو۔

ہارون رشید نے عرض کیا، کیا آپ پر کچھ قرض کا بوجھ ہے؟

حضرت فضیلؒ نے ایک آہ بھری اور فرمایا، ہاں! خدا کا قرض میری گردن پر ہے وہ اس کی اطاعت ہے۔ اگر وہ اس پر مجھے گرفت میں لے تو میری بدنصیبی ہے۔

ہارون رشید نے عرض کیا، محترم فضیل! میں لوگوں کے قرض کے بارے میں پوچھ رہا ہوں!

حضرت فضیلؒ نے فرمایا:

رب ذوالجلال کا شکر و احسان ہے۔ اس نے مجھے بڑی نعمتیں عطا کی ہیں۔

ہارون رشید نے دوبارہ عرض کیا تو کچھ اپنی ضروریات کے لیے قبول فرمائیں۔

حضرت فضیلؒ نے فرمایا! اے امیر المومنین! میری اتنی نصیحتوں کا تجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا اور مجھے بھی اس ظلم میں شریک کرتے ہو اور بیداد گری کو اپنا پیشہ بناتے ہو۔

ہارون رشید نے کہا۔ میں نے آپ پر کونسا ظلم کیا ہے اور بیداد گری کی ہے؟

فرمایا۔ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تو مجھے مصیبت میں مبتلا کرتا ہے، یہ ظلم

نہیں تو اور کیا ہے۔

یہ سنتے ہی ہارون رشید پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور کچھ دیر میں میں اور ہارون رشید آنسو بہاتے ہوئے باہر آ گئے۔

راستے میں ہارون رشید نے مجھ سے کہا: اے فضل بن ربیع، بادشاہ درحقیقت حضرت فضیل ہی ہیں اور یہ اس عظمت کی دلیل ہے جو انھیں دنیا اور دنیا والوں میں حاصل ہے۔ دنیا اور اس کی خوبصورتی ان کی نگاہ میں حقیر ہے وہ دنیا والوں سے دنیا کے لیے نہیں ملتے۔

خدا دوست

سید الجلیل ذوالنون مصریؒ جن کی عظمت و بزرگی کا گیت سنائی دیتا تھا مصر میں ایک بھی ایسی نگاہ نہ تھی جو آپ کے حال و جمال سے آشنا ہوتی اور بیان تک کر سکتی۔ وصال کے وقت تک کوئی بھی انھیں پہچان نہ سکا۔ جس رات آپ نے دنیا سے رحلت فرمائی اس رات مصر کے ستر اہل القرب نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی اور آپ نے فرمایا خدا کا دوست اور محبوب ذوالنون آ رہا ہے اس کے عظیم مقام کے لیے آیا ہوں۔

جب حضرت ذوالنون مصریؒ کو کفن پہنایا جا رہا تھا تو لوگوں نے ان کی پیشانی پر یہ الفاظ لکھے ہوئے دیکھے:

"یہ اللہ کا محبوب جو اللہ کی محبت میں مرا اور شہید ہوا۔"

جب مصر کے عوام نے ان کا جنازہ کندھوں پر اٹھایا تو فضا کے تمام پرندوں نے جمع ہو کر پروں سے پر ملا کر جنازہ پر سایہ کر دیا۔ عوام نے یہ منظر دیکھا تو زار زار ہو کر حضرت ذوالنون مصریؒ پر روا رکھے گئے اپنے جور و ستم پر نادم ہوئے اور توبہ کرنے لگے۔

ایک دن حضرت ذوالنون مصریؒ چند ساتھیوں کے ساتھ دریائے نیل میں کشتی پر جا رہے تھے۔ اس وقت دستور کے مطابق کشتیوں کا مقابلہ ہو رہا تھا۔ مصریوں کا دستور تھا کہ وہ کشتیوں میں سوار ہوتے اور جب کوئی دوسری کشتی قریب آتی تو اس میں سوار لوگ گانے بجانے کا شغل کرتے اور خوب شور و غل مچاتے۔ چنانچہ کوئی کشتی حضرت ذوالنون مصریؒ کی کشتی کے قریب آئی اور اس میں سوار لوگوں نے گانے بجانے اور شور و غل اور ہنگامہ کیا تو حضرت ذوالنون مصریؒ کے شاگردوں نے عرض کیا: یا شیخ! ان کے لیے بددعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو غرق کر دے تاکہ ان کی نحوست سے لوگوں کو نجات حاصل ہو۔

حضرت ذوالنون مصریؒ کھڑے ہو گئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی: یا اللہ! جس طرح تُو نے ان لوگوں کو دنیا میں خوشیاں بخشی ہیں اسی طرح اس جہان میں بھی ان کو خوشی و مسرت عطا فرما۔

شاگردوں نے یہ دعا سنی تو حیرت زدہ ہو گئے اور جب وہ کشتی اور زیادہ قریب آئی اور ان کی نظر حضرت ذوالنون مصریؒ پر پڑی تو بے اختیار رونے لگے اور انھوں نے اسی وقت ساز وغیرہ توڑ دیے اور تائب ہو گئے۔

حضرت ذوالنون مصریؒ ایک مرتبہ بیت المقدس سے مصر تشریف لا رہے تھے کہ انھوں نے دور سے ایک شخص کو آتے ہوئے دیکھا اور دل میں سوچا اس سے کچھ پوچھنا چاہیے۔ جب وہ شخص قریب آیا تو وہ [illegible] ایک بڑھیا تھی [illegible] اون کا جبہ اس نے پہنا ہوا تھا۔

حضرت ذوالنون مصریؒ نے پوچھا، کہاں سے آ رہی ہو؟

اس نے جواب دیا، خدا کی طرف سے۔

حضرت ذوالنون مصریؒ کے پاس ایک دینار تھا جو انھوں نے اس بڑھیا کو دینا چاہا لیکن بڑھیا نے زور سے ان کے ہاتھ پر طمانچہ مارا اور کہا:

اے ذوالنون! تُو نے جو مجھے سمجھا ہے، وہ تیری نادانی ہے۔ میں خدا کے لیے کام کرتی ہوں اور کسی سے کچھ نہیں لیتی اور اسی کی عبادت کرتی ہوں۔ اتنا کہہ کر بڑھیا آگے بڑھ گئی۔

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ

حضرت ابو اسحاق ابراہیم بن ادہمؒ بلخ کے امیر تھے۔ ایک دن شکار کو گئے اور لشکر سے بچھڑ گئے۔ اس وقت وہ ہرن کا پیچھا کر رہے تھے۔ [illegible] اللہ تعالیٰ نے ہرن کو بولنے کی قوت عطا کی اور اس نے کہا:

اے ابراہیم! کیا تم اس کام کے لیے پیدا کیے گئے ہو یا تمھیں اس کا حکم دیا گیا ہے؟

حضرت ابراہیمؒ یہ سن کر گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ اسی وقت دنیا سے کنارہ کش ہو کر زہد و ورع کی راہ اختیار کر لی اور حضرت فضیل بن عیاضؒ، حضرت سفیان ثوریؒ کے حلقۂ ارشاد میں داخل ہو گئے۔

حضرت ابراہیم ادہمؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک جنگل میں تھا تو ایک بوڑھے نے مجھ سے کہا:

اے ابراہیم! تم جانتے ہو کہ یہ کون سا مقام ہے جہاں زادِ راہ کے بغیر سفر کرتے ہو؟ یہ سن کر میں سمجھ گیا کہ یہ شیطان ہے۔ اس وقت میرے پاس چار ٹکے چاندی کے تھے جنھیں میں نے کوفہ میں زنبیل فروخت کر کے حاصل کیے تھے۔ انھیں میں نے فوراً جیب سے نکال کر پھینک دیا اور عہد کیا کہ ہر میل پر چار سو رکعت نماز ادا کروں گا۔ میں چار سال تک جنگل میں رہا اور ہر وقت اللہ تعالیٰ بغیر مشقت کے روزی عطا فرماتا رہا۔ اسی دوران خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے مجھے اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم سکھایا جس سے میرا دل غیر اللہ سے خالی ہو گیا۔

رازِ بخشش

حضرت بشر بن الحارث الحافیؒ توبہ سے پہلے ایک دن نشے کی حالت میں گھر سے نکلے۔ راستے میں انھیں ایک کاغذ کا ٹکڑا ملا جس پر بسم اللہ تحریر تھا۔ انھوں نے اس کاغذ کو تعظیم کے ساتھ اٹھایا، پھر اسے عطر میں بسایا اور پاک جگہ پر رکھ دیا۔ اسی رات انھوں نے خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا:

اے بشر! تُو نے میرے نام کو خوشبودار کیا، مجھے اپنی عزت کی قسم! تیرے نام کو دنیا اور آخرت میں خوشبودار کروں گا۔ یہاں تک کہ جو بھی تیرا نام سنے گا اس کے دل میں راحت ہو گی۔ حضرت بشرؒ نے اسی وقت توبہ کی اور زہد کے طریقے پر سختی سے کاربند ہو گئے۔ مشاہدۂ حق تعالیٰ میں یہ غلبہ کی شدت اس حد تک تھی کہ وہ پاؤں میں جوتا نہیں پہنتے تھے۔ [illegible] زمین خدا کا فرش ہے، میں جائز نہیں سمجھتا کہ اس کے فرش پر اس حالت میں چلوں کہ میرے اور اس کے فرش کے درمیان کوئی واسطہ حائل ہو جائے۔

صاحبِ کعبہ کا دیدار

حضرت ابو یزید طیفور بن عیسیٰ البسطامیؒ فرماتے ہیں کہ جب میں پہلی مرتبہ مکہ مکرمہ حاضر ہوا تو صرف خانۂ کعبہ نظر آیا اور دل میں گمان کیا کہ اس قسم کے پتھر میں نے بہت سے دیکھے ہیں۔ دوسری مرتبہ حاضر ہوا تو خانۂ کعبہ کو بھی دیکھا اور صاحبِ کعبہ کو بھی دیکھا۔ میں نے خیال کیا کہ ابھی حقیقتِ توحید سے دور ہوں۔ جب تیسری مرتبہ حاضر ہوا تو صرف صاحبِ خانہ کو دیکھا مگر نظر نہ آیا۔ اس وقت غیب سے آواز آئی کہ اے ابو یزید! اگر اپنے آپ کو نہ دیکھا اور سارے عالم کو دیکھا تو تو مشرک نہ ہوا اور جب تو سارے عالم کو نہ دیکھے اور اپنے آپ کو دیکھے ———— تو مشرک ہو جائے۔ میں نے اسی وقت توبہ کی، تو بہت سے بھی توبہ کی اور اپنی ہستی کو بھی دیکھنے سے توبہ کی۔

حضرت ابو سلیمان داؤد ابن نصر طائی رحمۃ اللہ علیہ اکابر مشائخ اور سادات اہلِ تصوف میں سے اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے شاگرد اور حضرت فضیل بن عیاضؒ اور حضرت ابراہیم ادہمؒ کے ہم عصر تھے۔ طریقت میں حضرت حبیب راعیؒ کے مرید تھے۔ گوشہ نشین اور مرتبہ و منزلت سے بے نیاز تھے۔ مشہور ہے کہ وہ محمد ابن حسن سے دوستی رکھتے تھے اور امام ابو یوسف قاضیؒ کو اپنے قریب نہیں آنے دیتے تھے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا یہ دونوں بہت بڑے عالم ہیں کیا وجہ ہے کہ ایک کو آپ عزیز جانتے ہیں اور دوسرے کو قریب نہیں آنے دیتے۔

فرمانے لگے وجہ یہ ہے کہ محمد بن حسن نے دنیاوی کثرت مال و نعمت دے کر علم پڑھا ہے اور اس کا علم دین کی عزت اور دنیا کی ذلت کا موجب ہے اور ابو یوسفؒ نے درویشی اور مسکینی دے کر علم پڑھا ہے اور اپنے علم کو عزت و منزلت کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس لیے محمد ابن حسن ان جیسے نہیں ہیں۔

تسلیم و رضا

اہلِ مشائخ کے استاد حضرت سری سقطیؒ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں تھے وہ بغداد کے بازار میں کپڑا فروخت کرتے تھے جب بغداد کے بازار میں آگ لگ گئی تو لوگوں نے انہیں یہ خبر دی کہ آپ کی دکان بھی جل گئی ہے۔ یہ سن کر انہوں نے فرمایا میں اس کی فکر سے بھی آزاد ہو گیا لیکن بعد میں لوگوں کو پتا چلا کہ ان کی دکان نہیں جلی جبکہ اس کے آس پاس کی تمام دکانیں جل گئی تھیں۔ جب حضرت سری سقطیؒ نے دکان کو سلامت دیکھا تو جو کچھ تھا سب فقراء میں تقسیم کر دیا اور تصوف کی راہ اختیار کر لی۔

لوگوں نے ان سے ان کی ابتدائی حالت کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا ایک دن حضرت حبیب راعیؒ میری دکان کے سامنے سے گزرے۔ میں نے روٹی کا ٹکڑا انہیں دیا کہ یہ فقیروں کو دے دیا جائے۔ انہوں نے دعا دی۔ اللہ تعالیٰ تجھے خیر کی توفیق دے۔ جب سے میرے کانوں نے یہ دعا سنی ہے میں دنیاوی مال سے بیزار ہو گیا اور اس سے نجات پانے کی کوشش شروع کر دی۔

شہر کا آقا

حضرت ابو علی شقیق بن ابراہیم ازدیؒ ایک سال بلخ میں تھے کہ وہاں زبردست قحط پڑا۔ لوگ ایک دوسرے کو کھانے لگے۔ تمام مسلمان غمگین تھے لیکن ایک غلام بازار میں بے تحاشا ہنس رہا تھا اور خوشی منا رہا تھا۔ لوگوں نے کہا، تم کیوں ہنستے ہو۔ کیا تمہیں شرم نہیں آتی کہ تمام مسلمان تو غمگین ہیں اور تو خوشی منا رہا ہے۔ اس نے کہا، مجھے کوئی غم نہیں میں اس کا بندہ ہوں جو اس شہر کا مالک ہے۔ اس نے میرے دل سے ہر مشغولیت کو نکال دیا ہے۔ اس وقت حضرت شقیقؒ نے فرمایا: "اے خدا یہ غلام جس کا آقا ایک شہر کا مالک ہے وہ اس قدر خوش ہے مگر تو تو مالک الملک ہے۔ ہماری روزی سے اپنے ذمہ کرم میں لے رکھا ہے۔ ایک ہم ہیں کہ ہم نے غم و فکر اپنے دل کو لگا رکھے ہیں۔" حضرت شقیقؒ نے اسی وقت دنیاوی مشغولیتوں سے تائب ہو کر راہِ حق اختیار کی اور کبھی روزی کا فکر و غم نہ رکھا اور ہمیشہ یہ کہتے رہے۔ میں اس غلام کا شاگرد ہوں اور جو کچھ میں نے پایا ہے اسی سے پایا ہے۔

عارف باللہ

حضرت احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رات تنہائی میں نماز پڑھی اور انہیں اس میں بہت راحت و قرار حاصل ہوا۔ اس کا تذکرہ انہوں نے دوسرے روز حضرت ابو سلیمانؒ سے کیا۔ انہوں نے فرمایا! "اے احمد! تو ابھی کمزور ہے کیونکہ ابھی تک تیرے دل میں لوگوں کا خیال موجود ہے کہ خلوت میں تیری حالت اور ہوتی ہے اور ظاہر میں کچھ اور۔ حالانکہ دونوں حالتوں میں کچھ فرق نہیں ہونا چاہیے تاکہ جو اللہ تعالیٰ سے دوری اور حجاب کا موجب نہ بنے۔ یا عروس کا مجمع عام میں جلوہ گر کیا جاتا ہے تاکہ ہر خاص و عام اسے دیکھے۔ اس خلوت میں اولیاء کی عزت افزائی ہوتی ہے۔ یہی حال عارف باللہ کا ہے لیکن اسے یہ جائز نہیں کہ اپنے مقصودِ حقیقی کے سوا کسی اور طرف نظر اٹھائے۔

اوتاد، اولیاء اور ابرار

حضرت ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے بزرگوں میں سے تمام علوم کے امام ہیں۔ ایک بزرگ بیان فرماتے ہیں ایک رات رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا، یا رسول اللہ! حضور کی ایک روایت مجھ تک پہنچی ہے کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کے اوتاد، اولیاء اور ابرار ہیں۔ حضور نے فرمایا،

اس راوی نے میری یہ حدیث تم تک صحیح پہنچائی ہے۔

میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! پھر تو مجھے ان میں سے کسی کو دکھایا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! "محمد بن ادریس ان میں سے ایک ہیں"۔

امام حنبلؒ

حضرت ابو محمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ورع، تقویٰ اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حافظ ہونے میں مخصوص ہیں۔ جب بغداد میں معتزلہ کا غلبہ و تسلط ہوا تو وہ کہنے لگے کہ حضرت حنبلؒ کو اتنی اذیت دینی چاہیے کہ وہ قرآن کو مخلوق کہنے پر مجبور ہو جائیں۔ بڑھاپے اور کمزور ہونے کے باوجود ان کے ہاتھوں کو کندھوں سے کھینچا گیا اور باندھا گیا اور پھر ایک ہزار کوڑے ان کے جسم پر مارے گئے تاکہ وہ قرآن کو مخلوق کہہ دیں لیکن انہوں نے ہرگز یہ کہنا گوارا نہ فرمایا۔ اس دوران آپ کا ازار بند کھل گیا جبکہ آپ کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے ایک غیبی ہاتھ ظاہر ہوا اور آپ کے ازار بند کو باندھ دیا۔ جب انہوں نے آپ کی یہ شان دیکھی تو آپ کو چھوڑ دیا لیکن کوڑوں کے زخموں سے آپ کا وصال ہو گیا۔ آخری وقت میں ایک گروہ نے آپ سے دریافت کیا، انہیں

قوم کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جس نے آپ کو کوڑے مارے۔

انھوں نے فرمایا۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ انھوں نے خدا کی راہ میں اس گمان پر کوڑے مارے ہیں کہ (معاذ اللہ) میں باطل پر ہوں اور وہ حق پر ہیں۔ میں محض اپنے زخمی ہونے پر قیامت کے دن ان سے جھگڑا نہیں کروں گا۔

راہِ حق کے راہبر

حضرت ابو حامد احمد بن خضرویہ بلخی رحمۃ اللہ علیہ ملامت کی روش پسند کرتے تھے اور فوجی وردی پہنتے تھے۔ ان کی بیوی فاطمہ کو طریقت میں بلند مقام حاصل تھا۔ وہ بلخ کے حاکم کی بیٹی تھیں جب انھیں توبہ کی توفیق نصیب ہوئی تو کسی کو احمد بن خضرویہ کے پاس بھیجا کہ وہ اپنا پیام میرے والد کو بھیجے لیکن انھوں نے اسے منظور نہ کیا۔ دوبارہ پھر کسی کو بھیجا اور کہلوایا کہ اے احمد! میں تجھے اس سے زیادہ مرد جانتی تھی کہ تو ایک عورت کا راہِ حق میں راہبر بنے نہ راہزن ہو۔ چنانچہ احمد نے کسی کو بھیجا اور اسے اس کے والد سے مانگا۔ اس کے والد نے بطور تبرک اپنی بیٹی ان کے حوالے کر دی۔ فاطمہ نے دنیاوی مشاغل ترک کر کے احمد کے ساتھ گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ جس وقت احمد حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے گئے تو فاطمہ نے ان کی موافقت کی۔ جب بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچی تو چہرے سے نقاب اٹھا کر گستاخانہ کلام شروع کر دیا۔ احمد کو اس کی حرکت پر بے حد تعجب ہوا اور مارے غیرت کے جلنے لگے۔

اے فاطمہ یہ کیسی گستاخی ہے! تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم بایزید سے ہم کلام ہو۔

فاطمہ نے کہا، اس لیے کہ تم میری طبیعت کے محرم ہو اور بایزید میری طریقت کے محرم ہیں۔ میں تم سے اپنی خواہش سے رسم و راہ رکھتی ہوں اور ان سے خدا کے لیے۔

فاطمہ حضرت بایزید کے ساتھ ہمیشہ شوخی سے پیش آتی رہی۔ یہاں تک کہ ایک روز بایزید نے جب نظر اٹھائی تو اس کے ہاتھوں کو حنا میں رنگ آلود دیکھا اور فرمایا تم نے اپنے ہاتھوں میں مہندی کیوں لگائی ہے۔

فاطمہ نے کہا، اے بایزید! جب تک تم نے میرے ہاتھوں اور مہندی کا مشاہدہ نہ کیا تھا میں تم سے خوش تھی۔ اب جبکہ تم نے مجھ پر نظر اٹھائی ہے تو اب تمھاری صحبت مجھ پر حرام ہو گئی ہے۔ اس کے بعد احمد اور فاطمہ نیشاپور میں مقیم ہو گئے اور جب یحییٰ بن معاذ رازی نیشاپور آئے اور وہاں سے بلخ جانے لگے تو احمد نے چاہا کہ ان کی دعوت کریں۔ انھوں نے فاطمہ سے مشورہ کیا کہ یحییٰ کی دعوت میں کیا ہونا چاہیے؟ فاطمہ نے کہا، بہت ساری گائیں، بھیڑیں، مرغیاں، عطریات، مصالحہ، موم بتیاں اور عطر و خوشبو کے علاوہ بیس گدھے بھی درکار ہیں تاکہ انھیں ذبح کریں۔

احمد نے کہا، گدھوں کو ذبح کرنے کی کیا وجہ ہے؟ فاطمہ نے جواب دیا جب کوئی کریم کسی کریم کے گھر مہمان ہو آتا ہے تو محلے کے کتوں کو بھی اس کی خبر ہو جاتی ہے۔

ایک درویش نے ماہِ رمضان میں کسی امیر کی دعوت کی، حالانکہ اس کے گھر میں صرف ایک روٹی تھی اور وہ بھی سوکھی ہوئی۔ جب امیر درویش کے پاس سے گیا تو اس نے درویش کو اشرفیوں کا ایک تھیلا بھجوایا۔ درویش نے اشرفیوں کی تھیلی اسی وقت واپس کر دی اور کہا،

یہ اس کی سزا ہے جو اپنے بھید کو اپنے جیسوں پر کھولتا ہے۔

حضرت ابو تراب عسکر بن الحسین رحمۃ اللہ علیہ خراسان کے بزرگ ترین مشائخ اور صوفیٔ جہاں مردوں میں سے تھے۔ ان کا زہد و تقویٰ مشہور تھا۔ جنگلوں میں گھومتے پھرتے تھے۔ ان کی وفات بھی بصرہ کے جنگل میں ہوئی۔ چند سالوں بعد جب صوفیوں کی ایک جماعت کا گزر ان کے پاس سے ہوا تو انھیں قبلہ رو کھڑے ہوئے مردہ پایا۔ جسم خشک تھا، آگے رکھا ہوا تھا، عصا ہاتھ میں تھا اور کوئی درندہ ان کے پاس نہیں پہنچا تھا، نہ ہی کسی کے پاؤں کا نشان تھا۔

حضرت ابو حفص عمرو بن سالم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ صوفیائے کرام کے بزرگ و سردار تھے۔ ابتداء میں ایک لونڈی پر فریفتہ ہو گئے۔ لوگوں نے انھیں بتایا کہ نیشاپور کے شہر میں ایک یہودی جادوگر ہے اس کا وہ علاج و مداوا کر سکتا ہے۔ ابو حفص اس کے پاس گئے اور اپنا حال بیان کیا۔ یہودی نے کہا، اے ابو حفص! علاج کے لیے تمھیں چالیس دن نماز چھوڑنی ہو گی اور اس دوران کوئی ذکرِ خدا، عمل خیر اور کوئی نیک خیال زبان و دل پر نہ لانا ہو گا تاکہ میں افسوں کروں اور تمھاری مراد پوری ہو۔ جیسا کہ چالیس دن گزر گئے۔ یہودی نے طلسم اور افسوں کیا لیکن ان کی مراد پوری نہ ہوئی۔ یہودی نے کہا، یقیناً تجھ سے کوئی نیک عمل ہوا ہے۔

ابو حفص نے کہا، میں نے تو کوئی نیکی نہیں کی اور نہ کوئی ظاہر و باطن میں عمل کیا البتہ ایک دن کا ذکر ہے کہ راستہ میں ایک پتھر پڑا دیکھا، اسے اس خیال سے پرے ہٹا دیا کہ کسی کو ٹھوکر نہ لگ جائے۔

یہودی نے کہا حیف ہے تجھ پر کہ تو نے چالیس دن تک اس کے حکم کی نافرمانی کا وبال ضائع کر دیا مگر خدا نے تیری اتنی سی تکلیف بھی ضائع نہ کی۔

اس پر ابو حفص نے توبہ کی اور اسی وقت یہودی بھی مسلمان ہو گیا۔

ابو حفص کا پیشہ آہن گری تھا۔ جب باورد پہنچے تو امام عبد اللہ باوردی سے ملاقات کی۔ انھوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ جب وہ نیشاپور واپس آئے تو ایک دن بازار میں ایک اندھے کو قرآن کریم کی تلاوت کرتے دیکھا۔ وہ اپنی دکان پر بیٹھ کر اس کی تلاوت سننے لگے اور اتنے محو ہو گئے کہ آپے میں نہ رہے، اپنے ہاتھ کو آگ میں ڈالا اور بغیر چمٹے کے گرم لوہے کو بھٹی سے نکال لیا۔ جب شاگردوں نے استاد کی یہ محویت دیکھی تو ان کے ہوش اڑ گئے۔ ابو حفص کی محویت ختم ہوئی تو اس پیشہ اور کسبِ معاش سے ہاتھ اٹھا لیا اور پھر کبھی دکان پر نہ آئے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے اور مرید تھے۔ ایک روز حضرت سری سقطیؒ سے لوگوں نے پوچھا۔

کیا کسی مرید کا اپنے پیر سے زیادہ بلند درجہ ہو سکتا ہے؟

حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا۔ ہاں اور اس کا ثبوت ظاہر ہے کہ حضرت جنیدؒ کا درجہ میرے درجے سے بلند ہے۔

حضرت سری سقطیؒ کی زندگی میں مریدوں نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ اے شیخ! ہمیں کوئی ایسی بات بتائیے جس سے ہمارے دل کو سکون و راحت نصیب ہو۔ لیکن انھوں نے قبول نہ کیا اور فرمایا۔

جب تک میرے شیخ موجود ہیں میں مسندِ ارشاد پر نہیں بیٹھوں گا۔ یہاں تک کہ ایک رات خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہوا اور حضورؐ نے فرمایا۔

اے جنید! لوگوں کو کچھ کہہ سناؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمھاری باتوں کے ذریعہ ایک عالم کی نجات فرمائے گا۔

حضرت جنیدؒ جب بیدار ہوئے تو ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ میرا درجہ میرے شیخ

گے وہ جہد میں شامل ہو گیا ہے اور مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امر وعوت وارشاد فرمایا ہے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت سری سقطیؒ نے ایک مرید کو بھیجا کہ جب حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فجر کی نماز کا سلام پھیر چکیں تو ان سے کہنا کہ تم نے مریدوں کے کہنے سے تبلیغ ارشاد شروع نہ کیا اور نہ بغداد کے مشائخ کی سفارش قبول کی۔ سب کی درخواستیں کو رد کرتے رہے۔ میرا پیغام بھی پہنچا اور سب بھی تبلیغ و تعلیم شروع نہ کی۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بھی ہو چکا ہے۔ اب تو آپ ہے یا نہیں؟

حضرت جنید فرماتے ہیں کہ میں سمجھا کہ میرا شیخ میرے دل کے اسرار سے کیا واقف ہے اور وہ میری ظاہری و باطنی حالت سے بھی باخبر ہے۔ ان کا درجہ مجھ سے بلند ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ اسی وقت حضرت سری سقطیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور توبہ و استغفار کی اور دریافت کیا۔

آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں نے خواب میں حضورؐ کا دیدار کیا ہے۔ حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا۔ میں نے خواب میں رب العزت کو دیکھا انھوں نے مجھ سے فرمایا۔

میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنید کے پاس بھیجا ہے کہ وہ لوگوں کو وعظ و ہدایت دیں تاکہ بغداد کے لوگوں کی مراد ان سے پوری ہو۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک وقت یہ خواہش پیدا ہوئی کہ شیطان کو دیکھوں۔ ایک دن مسجد کے دروازے میں کھڑا تھا کہ دور سے ایک بڈھا آتا ہوا دکھائی دیا۔ جب اس کا چہرہ میرے سامنے آیا اور میں نے اسے دیکھا تو میرے دل میں وحشت پیدا ہوئی۔ جب وہ اور میرے قریب آیا تو میں نے اس سے کہا۔

"اے بڈھے! تو کون ہے؟ تیری وحشت سے میری آنکھیں تجھے دیکھ نہیں سکتیں اور خوف سے تیرے خیال کی دل میں طاقت نہیں پاتا۔"

اس نے کہا۔ "میں وہی ہوں جس کو تو نے دیکھنے کی خواہش کی تھی۔"

میں نے کہا۔ "اے ملعون! حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے روکا تھا؟"

شیطان نے جواب دیا۔ "اے جنید! تمھارا کیا خیال ہے کہ میں غیر خدا کو سجدہ کرتا؟"

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس کی یہ بات سن کر حیرت زدہ رہ گیا۔ اتنے میں غیب سے آواز آئی:

اے جنید! اس سے کہو کہ تو جھوٹا ہے۔ اگر تو فرماں بردار ہوتا تو اس کے حکم اور اس کی ممانعت کی خلاف ورزی کیوں کرتا۔ شیطان نے میرے دل سے اس آواز کو سنا تو چیخا اور کہا۔ خدا کی قسم تو نے مجھے جلا دیا ہے اور غائب ہو گیا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید کچھ آزردہ دل ہوا اور گمان کیا کہ وہ کسی درجہ پر پہنچ گیا ہے۔ وہ یہ گمان کر کے حلقۂ ارشاد سے نکل گیا۔ پھر ایک دن اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ ان کا تجربہ کرے بلکہ حضرت جنیدؒ اپنی روحانی طاقت سے اس مرید کے مقصد کو دیکھ رہے تھے۔ مرید نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک سوال کیا۔

انھوں نے فرمایا۔ اس کا جواب لفظوں میں چاہتے ہو یا معنوں میں۔

اس نے کہا دونوں میں۔

اس پر حضرت جنیدؒ نے فرمایا۔ اگر لفظوں میں چاہتا ہے تو تو نے تقریر کر لیا ہے اور میرے تجربے کی کوشش ضرورت نہیں حالانکہ تو یہاں تجربے کے لیے آیا تھا اور تو

سلوک میں حجاب چاہتا ہے تو تجھیں میں اسی وقت ولایت سے معزول کرتا ہوں۔ حضرت جنیدؒ کا یہ فرمانا تھا کہ مرید کا چہرہ سیاہ ہو گیا اور کہنے لگا۔

یقین کی راحت میرے دل سے غائب ہو گئی ہے۔ اتنا کہہ کر وہ استغفار میں مشغول ہو گیا اور فضول باتوں سے توبہ کرنے لگا۔ اس وقت حضرت جنیدؒ نے اس سے فرمایا اسے تو نہیں جانتا کہ اولیاء اللہ اسرار کے والی اور حاکم ہیں۔ تو تم ان کے دخل کی تاب نہیں لا سکتا۔ حضرت جنیدؒ نے اس پر دم کیا کہ وہ دوبارہ اپنی مراد سے بہرہ مند ہو گیا اور اس نے مرشدوں کے بارے میں بے ادبی سے توبہ کر لی۔

حضرت ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حکایت ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے تین راتیں اپنے گھر میں کھڑے ہو کر شور و غل مچایا۔ لوگوں نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے کہا۔ وہ اسی وقت تشریف لائے اور فرمایا۔

اے ابو الحسن! اگر تمھیں یقین ہے کہ شور و غل میں کوئی بھلائی ہے تو بتاؤ تاکہ میں بھی شور و غل کروں اور اگر تم جانتے ہو کہ اس شور و غل میں کوئی بھلائی نہیں ہے تو دل کو رضائے الٰہی کے حوالے کر دینا چاہیے تاکہ تمھارا دل خوش و خرم ہو۔ یہ سنتے ہی نوری رحمۃ اللہ علیہ باز آ گئے اور کہنے لگے۔

اے ابو القاسم! آپ مجھے اچھے ہمارے استاد اور رہنما ہیں۔

حضرت ابو عثمان سعید بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بچپن میں ہی میرا دل حقیقت کی تلاش میں کھو گیا تھا۔ اہل ظاہر سے میں مطمئن نہ تھا اور جانتا تھا کہ عام لوگ جس ظاہری طرز حالت میں ہیں۔ یقیناً اس کے سوا بھی کوئی باطنی حالت ہے۔ یہاں تک کہ میں بالغ ہو گیا اور ایک روز حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں پہنچا تو مجھے وہاں میرا باطنی مقصد حاصل ہو گیا چنانچہ میں نے ان کی صحبت اختیار کی۔ یہاں تک کہ ایک جماعت شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سے وہاں آئی ان سے میں نے حضرت شاہ شجاع کرمانیؒ کی باتیں سنیں تو میرا دل ان کی زیارت کے لیے بے تاب ہو گیا اور مقام رے سے کرمان جانے کا عزم کیا۔ میری یہ زبردست خواہش تھی کہ کسی طرح شاہ شجاع کی صحبت میسر آ جائے مگر انھوں نے اجازت نہ دی اور فرمایا۔

تم مقام رجا کے پروردہ اور صحبت یافتہ ہو کیونکہ حضرت یحییٰ بن معاذؒ کی صحبت میں رہے ہو وہ مقام رجا پر فائز ہیں اور جسے مشرب رجا مل جائے وہ طریقت پر قائم نہیں رہ سکتا اس لیے کہ رجا کی تقلید سے کاہلی اور سستی آ جاتی ہے۔ میں نے بہت منت و سماجت کی اور بیس روز تک اُن کے در پر بیٹھا رہا۔ اس کے بعد کہیں اجازت ملی اور ایک طویل عرصے تک ان کی صحبت میں رہا۔ وہ ایک مرد غیور تھے یہاں تک کہ انھوں نے حضرت ابو حفصؒ کی زیارت کے لیے نیشاپور کا ارادہ کیا تو میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔ جب ہم ابو حفص کے ہاں پہنچے تو شاہ شجاع قبا پہنے ہوئے تھے۔ ابو حفص نے انھیں دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور استقبال کے لیے آگے بڑھے فرمایا۔ جسے میں گدڑی میں دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ قبا میں ملبوس ہے!

حضرت ابو حفص کے ہاں ایک عرصہ تک رہے اور میں اُن کے اسرار جاننے کی جستجو میں لگا رہا لیکن شاہ کا دبدبہ اور خدمت کا خیال درمیان میں رکاوٹ بنا رہا۔ حضرت ابو حفص میری دلی خواہش سے واقف تھے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا تھا کہ مجھے حضرت ابو حفص کی نسبت اس طرح میسر آ جائے کہ شاہ شجاع بھی محسوس نہ کریں۔ آخر کار جب شاہ شجاع نے واپسی کا پروگرام بنایا تو میں نے بھی سامان سفر کا انتظام کر دیا حالانکہ میرا دل ابو حفص ہی کے ہاں ٹھہرنے کے لیے تڑپ رہا تھا۔

حضرت ابو حفص نے شاہ شجاع سے فرمایا۔

"اس لڑکے کو طرح طرح کے ساتھ یہاں چھوڑ جائیں کیونکہ اس میں میری کئی غرض ہے۔" شاہ شجاع نے بیٹے کی طرف دیکھا اور کہا۔

"شیخ کی بات مان لو۔" شاہ شجاع مجھے ابو حفص کے پاس چھوڑ کر واپس چلے گئے اور ان کے حلقہ ارشاد میں میں نے بڑے بڑے عجائب دیکھے۔ ابو حفص مجھ سے انتہائی شفقت سے پیش آتے تھے۔

حضرت ابو عبداللہ احمد بن یحییٰ بن جلاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے ایک خوبصورت مجوسی لڑکے کو دیکھا۔ اس کا حسن و جمال دیکھ کر میں دم بخود ہو گیا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ میرے قریب سے گزرے تو میں نے ان سے عرض کیا۔

"اے استاد! اللہ تعالیٰ ایسے چہرے کو دوزخ میں جلائے گا؟"

حضرت جنید نے فرمایا۔ "عزیز بیٹے! یہ سب نفس کا کھیل ہے جو تجھے لاحق ہوا ہے ورنہ یہ نظارہ عبرت ہے کیونکہ اگر تو عبرت سے دیکھے تو عالم کے ہر ذرہ میں ایسا ہی عجوبہ پائے گا لیکن بہت جلد تمہیں اس بے ادبی کی بنا پر عتاب دیا جائے گا۔"

جب حضرت جنید مجھ کو چھوڑ کر میرے پاس سے گزر گئے تو اسی وقت میرے حافظے سے قرآن پاک فراموش ہو گیا یہاں تک کہ برسوں میں نے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی اور توبہ کی تو پھر کہیں قرآن کی نعمت دوبارہ مجھے حاصل ہوئی۔

حضرت ابو الحسن سمنون بن عبداللہ خواص رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے اور محبت میں ان کا مرتبہ بلند ہے۔ انھوں نے خلیفہ کے ایک مستقد غلام الخلیل کے ہاتھوں بڑی اذیت اٹھائی۔ وہ ایک ریاکار شخص تھا جو پارسا اور صوفی ہونے کا مدعی تھا اور خود کو بادشاہوں کا مقرب، نائب اور خلیفہ ظاہر کرتا تھا۔ اس نے خلیفہ وقت کے سامنے صوفیہ کے خلاف باتیں کیں اور ایسی ایسی باتیں کیں جس سے تمام صوفیہ آزردہ ہو گئے۔ حضرت سمنون اور ان کے مرشدوں کے زمانہ میں حضرت سمنون ایک شخص تھے۔ جب حضرت سمنون کا مرتبہ بغداد میں بلند ہوا اور ہر کوئی ان کی قربت کا آرزو مند ہوا تو غلام الخلیل کو اس سے بڑا رنج پہنچا۔ اس کا کوئی بس نہ چلا تو حضرت کی باتیں مشہور کیں حتیٰ کہ ایک یہ کہا ہے کہ اس نے ایک خوبصورت عورت کو حضرت سمنون کے پاس بھیجا۔ جب سمنون کی نظر اس کے جمال پر پڑی تو عورت نے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ حضرت سمنون نے انھیں بری طرح جھڑک دیا۔ وہ حضرت جنید کے پاس پہنچی اور کہا۔

"آپ حضرت سمنون کو سمجھائیں کہ وہ مجھ سے نکاح کر لیں۔"

حضرت جنید کو اس کی یہ خواہش بری لگی اور اسے اپنے آستانے سے باہر نکال دیا۔ پھر وہ غلام الخلیل کے پاس آئی اور اس نے ان عورتوں کی طرح جو ان کی خواہش ادا نہ کرے ان پر الزام تراشی کرنے لگتی ہیں، حضرت سمنون پر تہمت لگائی۔ غلام الخلیل نے اس عورت کی گواہی پر خلیفہ وقت کو صوفیہ سے اتنا برگشتہ کر دیا کہ اس نے حضرت سمنون کے قتل کا حکم صادر کر دیا۔ چنانچہ حضرت سمنون کو مقتل میں لے جایا گیا۔ جب جلاد نے خلیفہ سے قتل کی اجازت مانگی اور خلیفہ نے اجازت دینا چاہی تو اس کی زبان بند ہو گئی اور قتل ملتوی کر دیا گیا۔ رات کو خلیفہ نے خواب میں دیکھا اور کسی نے اس سے کہا تیرے ملک و حکومت کا زوال حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ کے زوال سے وابستہ ہے۔ دوسرے دن خلیفہ نے حضرت سمنون سے معافی مانگی اور عزت کے ساتھ بلا لیا۔ پہنچایا۔

حقیقت محبت میں حضرت سمنون کا کلام بلند اور اشارات دقیق ہیں۔ ایک بار تم حجاز سے تشریف لا رہے تھے کہ شہر فید میں لوگوں نے ان سے درخواست کی کہ وہ منبر پر تشریف لائیں اور وعظ فرمائیں۔ انھوں نے منبر پر کھڑے ہو کر وعظ فرمایا۔ کسی نے توجہ نہ دی تو انھوں نے اپنا رخ مسجد کی قندیلوں کی طرف کر کے فرمایا۔ اے قندیلو! میں تم سے مخاطب ہوں۔

قندیلیں اسی وقت گر کر ٹوٹ گئیں۔

مردان خدا

حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ اصول میں امام وقت تھے اور جب وہ اصفہان سے آئے تو ایک نوجوان ان کے حلقہ میں شامل ہو گیا لیکن اس کے والد اسے منع کرتے تھے۔ اسی غم میں وہ بیمار پڑ گیا اور عرصہ تک حضرت عمرو بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ میں نہ آیا۔ کسی نے اس کی بیماری کی اطلاع دی تو حضرت اس کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے۔ نوجوان نے اشارہ کیا کہ کسی قوال کو بلا کر چند اشعار سنوائیے چنانچہ قوال بلائے گئے۔ انھوں نے ایک شعر پڑھا

"کیا بات ہے کہ میں بیمار ہوں اور کوئی تم سے میری بیمار پرسی نہیں کرتا اور جب تم بیمار ہوتے ہو تو میں بیمار پرسی کرتا ہوں۔"

نوجوان بیمار نے یہ شعر سنا تو اٹھ کر بیٹھ گیا اور بیماری کی شدت بھی کم ہو گئی اور کہنے لگا۔ اے قوال کوئی اور شعر سنا۔ قوال نے یہ شعر پڑھا۔

"مجھ پر تمہارے حضور حاضری سے بندش اپنے مرض سے زیادہ سخت ہے اور تمہارے حضور خود کو حاضر نہ پانا میرے لیے بہت دشوار ہے۔"

بیمار نوجوان کھڑا ہو گیا اور اس کی ساری بیماری جاتی رہی۔ پھر اس کے باپ نے اسے حضرت عمرو کے سپرد کر دیا۔ اس کی طرف سے دل میں جو اندیشہ تھا اس کی معافی چاہی اور توبہ کی۔

حضرت ابو بکر محمد بن وراق رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ محمد بن علی ترمذیؒ نے مجھے ایک کتاب کے چند اجزاء دیے کہ میں انھیں دریائے جیحوں میں ڈال دوں۔ میرے دل نے یہ نہ چاہا۔ کتاب کو گھر میں رکھا اور حاضر ہو کر کہا کہ میں نے دریا میں ڈال دیے ہیں۔ انھوں نے دریافت فرمایا تم نے کیا دیکھا؟

میں نے عرض کیا میں نے کچھ نہیں دیکھا۔

فرمانے لگے۔ تم نے انھیں دریا میں نہیں ڈالا۔ جاؤ اور اسے دریا برد کر کے آؤ۔

میں پھر گھر واپس آیا اور میرا دل وسوسوں میں گھر گیا۔ میں نے اجزا اٹھائے اور دریا میں ڈال دیا۔ دریا کا پانی اسی وقت پھٹ گیا اور اس میں سے ایک صندوق برآمد ہوا جس کا ڈھکن کھلا ہوا تھا۔ جب یہ اجزا صندوق میں چلے گئے تو اس کا ڈھکن خود بخود بند ہو گیا۔ صندوق بھی پانی میں چلا گیا۔ میں نے واپس آ کر یہ واقعہ بیان کر دیا۔ حضرت محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "اب تم نے اجزا دریا میں ڈالے ہیں۔"

میں نے عرض کیا۔ "یا شیخ! یہ کیا بھید ہے؟"

انھوں نے فرمایا۔ میں نے اصول و تحقیق پر ایک کتاب لکھی تھی جس کا سمجھنا عقل سے باہر تھا۔ میرے بھائی خضر علیہ السلام نے اسے مجھ سے مانگا۔ اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا تھا کہ وہ یہ کتاب خضر علیہ السلام تک پہنچا دے۔

سے کہ وہ تنہا وقت ہی اور میں اپنا حال ظاہر کروں۔ انھوں نے بڑی شفقت سے میرا حال سنا اور اسے میرے بچپن کا غرور اور جہالت کی آنچ پر محمول قرار دیا اور اسی کو باعث بھی کہا صورت ہے کہ رہی۔ کیا کہ وہ بزرگ چونکہ ابتدا میں اس کوچہ سے نہیں گزرے تھے اس لیے میرے بارے میں انتہائی عجز و انکسار کا اظہار کر رہے تھے، لیکن وہ میری دلی کیفیت سمجھ گئے اور فرمایا۔

"تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ میرا انکسار تمھارے لیے نہیں تمھارے حال کے ساتھ ہے کیونکہ حال کا بدلنے والا حال کے محل میں آتا ہے اور میرا یہ عجز و انکسار احوال کے بدلنے میں اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور یہ سب طالبوں کے لیے عام ہے نہ کہ خاص تمھارے لیے۔ میں یہ سن کر خود رفتہ ہو گیا۔ انھوں نے میرا باطن دیکھا اور فرمایا۔

اے فرزند! انسان کو اس طریقت سے اس سے زیادہ نسبت نہیں ہوتی کہ جب اسے طریقت کی طرف لگائیں تو اس کے گمان کو پھیر دیں۔ جب اسے گمان سے پھیر دیا تو اس پر خیال تعبیر کی راہ بند کر دیں۔ لہٰذا نفی و اثبات اور اس کا وجود و عدم دونوں خیال ہی ہیں اور ہرگز خیال کی بندش سے نہیں نکل سکتا۔ اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرے اور اپنے آپ سے تمام نسبتیں ختم کر دے۔ بجز خدمت اور بندگی کی نسبت کو برقرار رکھے۔

بارگاہ الٰہی کا قرب

حضرت ابو احمد المظفر بن حمدان رحمۃ اللہ علیہ کا باطن مسند جلوہ اسنے ربانی تھا۔ شیخ المشائخ حضرت ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ ہمیں بارگاہ الٰہی کا قرب بندگی کی راہ سے ملا اور مظفر کو براہ راست خدا کی طرف سے ملا۔

حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں .... کرمان میں ان کے پاس حاضر ہوا۔ حال پراگندہ تھے اور جسم پر لباس سفر تھا۔ انھوں نے مجھ سے فرمایا۔ "اے ابوالحسن! اپنے حال کی خواہش مجھ سے بیان کرو۔ میں نے عرض کیا، میں سماع چاہتا ہوں۔ انھوں نے اسی وقت قوال بلائے اور دوران سماع مجھ پر جوش ثبات، قوت ارادی اور سوز محبت سے ابتدائی کلمات ہی ہوا کہ مجھے مضطرب و بے تاب کر دیا۔ تھوڑی دیر گزرنے کے بعد جب غلبۂ جوش کم ہوا تو مجھ سے فرمایا۔ سماع کے بارے میں کیا خیال ہے؟

میں نے عرض کیا، یا شیخ بیحد مسرور ہوا۔

فرمایا جب انھیں بلایا گیا تھا۔ اس وقت یہ ساز اور کووں کی آوازیں ایک برابر تھیں کیونکہ سماع کی طاقت اس وقت تک ہے جب تک مشاہدہ نہ ہو اور جب مشاہدہ حاصل ہو گیا تو طاقت سماع؟ یہ موجاتی ہے۔ دیکھو ایسی عادت اختیار نہ کرو عادت طبیعت بن جائے اور مشاہدہ سے رہ جاؤ؟

رضائے الٰہی

ایک درویش دریائے دجلہ میں گر گیا۔ وہ تیرنا نہیں جانتا تھا۔ کسی شخص نے کنارے پر سے انھیں ڈبکیاں کھاتے ہوئے دیکھا اور کہا۔

اگر تم چاہو تو میں کسی شخص کو بلاؤں جو تمھیں نکال سکے۔

درویش نے جواب دیا۔ نہیں۔

اس شخص نے کہا کیا تم غرق ہونا چاہتے ہو؟

درویش نے جواب دیا۔ نہیں۔

اس نے دوبارہ پوچھا۔ تو پھر چاہتے کیا ہو؟

درویش نے جواب دیا۔ میرا رب جو چاہے وہی چاہتا ہوں۔

صاحب حال

ایک دن ابو حمزہ بغدادیؒ اپنے مرشد حضرت محاسبیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ صاحب حال اور صاحب سماع تھے۔ حضرت محاسبیؒ کے پاس ایک مرغ تھا جو بانگ دیا کرتا تھا۔ جونہی ابو حمزہ بغدادیؒ نے اندر قدم رکھا مرغ نے بانگ دینا شروع کر دی، جس پر ابو حمزہ بغدادیؒ نے ایک نعرہ مارا۔ حضرت محاسبیؒ اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور خنجر نکال لیا۔ فرمایا۔

تو نے کفر کیا ہے۔ آپ نے ابو حمزہ کو مارنے کا قصد کیا لیکن مریدوں نے صورت حال کو سنبھال لیا۔ شیخ کے قدموں پر گر گئے اور ابو حمزہ کو چھڑوا دیا۔ لیکن حارث محاسبیؒ نے ابو حمزہ کو فرمایا۔ "اے مردود مسلمان ہو۔"

مریدوں نے عرض کیا۔ "یا شیخ! ایک آپ اور ہم اسے مخصوص اولیائے کرام اور توحید پرستوں میں سے جانتے ہیں تو آپ کو اس پر شک اور تردد کیوں ہو گیا تھا!

حضرت محاسبیؒ نے فرمایا۔ مجھے اس پر کوئی شک و تردد نہیں تھا اور میں اسے مشاہدہ دیدار حق اور اس کا دل توحید میں مستغرق دیکھتا ہوں لیکن اسے ایسا کیوں کرنا چاہیے جس طرح حلولی لوگ کرتے ہیں اور جو ان کے گفتار و کردار کا شعار ہے۔ غور کرو مرغ ایک بے عقل جانور ہے وہ اپنی فطرت و عادت کے مطابق بانگ دیتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیسے ہم کلام ہو گیا حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کا ہر وقت اور ہر حال حق تعالیٰ کے ساتھ شایان شان سلام و کلام کے علاوہ سکون دیتا ہے نہیں کرتا۔ اس کے باوجود کسی چیز میں اس کا حلول و قرار نہیں ہوتا نہ اس میں اتحاد و امتزاج جائز ہے۔ ابو حمزہ نے جس وقت شیخ کی باریک نظری کو دیکھا تو عرض کرنے لگے۔

"اے شیخ! اگرچہ میں حقیقتاً راستی پر تھا لیکن چونکہ میرا فعل ایسی قوم کے مشابہ تھا جو حلولی اور گمراہ ہیں۔ میں توبہ و رجوع کرتا ہوں۔"

جوان مرد کون ہے

حضرت ابو صالح حمدون قصار رحمۃ اللہ علیہ اکابر علما اور سادات طریقت میں سے ہیں۔ ان کی صداقت کے نشر و اظہار پر یہ فرماتے ہیں کہ

نیشاپور میں نہر حیرہ کے کنارے جا رہا تھا۔ وہاں نوح نامی ایک شخص تھا جس کی جوانمردی نیشاپور کے جوانمردوں میں مشہور تھی۔ میں نے اُسے راستے میں دیکھ کر کہا۔

اے نوح! جوانمردی کیا ہے؟

اس نے جواب دیا۔ میری جوانمردی کے بارے میں پوچھتے ہو یا اپنی جوانمردی کے بارے میں؟

میں نے کہا دونوں کے بارے میں بتاؤ۔

اس نے کہا میری جوانمردی یہ ہے کہ میں نے قبا اتار کر گدڑی پہن لی ہے اور ایسا معاملہ کرنے لگا ہوں جس سے صوفی بن جاؤں۔ خطا سے شرم کرتا ہوں اور اس لباس میں معصیت سے پرہیز کرتا ہوں۔ تمھاری جوانمردی یہ ہے کہ تم اس گدڑی کو

آنا ہو دا اور کہ تم لوگوں سے اور لوگ تم سے فتنہ میں مبتلا رہیں۔ لہٰذا میری حرکتیں ظاہر میں شریعت کی مخالفت میں ہیں اور تمہاری یہ ان امور کی باطن میں حقیقت کی مخالفت میں ہے۔

حالت مدہوشی

حضرت ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایتوں میں ہے کہ انہوں نے اپنے ابتدائی احوال میں بیس سال تک جنگلوں میں ایسی گوشہ نشینی اختیار کی کہ کسی انسان کا سایہ تک نہ دیکھا۔ یہاں تک کہ ریاضت و مشقت سے جسم پر چربی نہ رہی اور آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے۔ بیس سال کے بعد صحبت و جلوت کا فرمان ہوا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگوں کے ساتھ میل جول رکھو۔ انہوں نے اپنے دل میں خیال کیا میرے لیے سب سے پہلے اہل اللہ اور حاضرین کے مجاوروں کی ہم نشینی کرنا مبارک رہے گا۔ جنگل سے نکلے اور مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ مکہ مکرمہ کے مشائخ کو پہلے ہی الہام ہو چکا تھا کہ ابوعثمان آ رہے ہیں وہ سب ان کے خیر مقدم کے لیے باہر نکلے اور ان کو اس حال میں پایا کہ ان کی پیشانی تبدیل ہو چکی تھی اور زندگی کی رمق کے سوا ان کے جسم پر کچھ نہ رہا تھا۔

"اے ابوعثمان! آپ نے زندگی کے بیس سال اس مکان سے گزارے کہ سب لوگ آپ کے دیدار سے مایوس ہو گئے تھے۔ ہمیں بتائیے کہ آپ نے وہاں کیا دیکھا کیا پایا اور پھر واپس کیوں آ گئے۔"

ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ مدہوشی میں گیا اور مدہوشی کی آفت کو دیکھا اور عاجزی کو پایا اور عاجزی سے واپس آیا۔

تمام مشائخ کرام نے فرمایا۔ اب آپ کے بعد مدہوشی اور ہوش کی تعبیر کسی شریعت کہنے والے پر حرام ہے کیونکہ آپ نے پوری تشریح و تعبیر کر دی ہے اور مدہوشی کی آفت کو ظاہر کر دیا ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حکایت ہے۔ وہ مغلوب الحال تھے تو ان کے نام حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خط لکھا جس میں دریافت کیا کہ اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جس نے دریائے محبت سے ایک قطرہ پیا اور بے خود ہو گیا۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب لکھا۔

...تم اس شخص کے بارے میں کیا کہو گے جس کے لیے سارے جہان کے دریا محبت کی شراب بن جائیں اور وہ ان سب کو پی جائے اور پھر بھی اس کی پیاس نہ بجھے۔ اس سے لوگوں نے سمجھا کہ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے مدہوشی کی تعبیر کی ہے اور حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے ہوش کی، حالانکہ اس کے برعکس صاحب ہوش وہ ہوتا ہے جو ایک قطرہ کی بھی طاقت نہ رکھے اور صاحب مدہوشی وہ ہوتا ہے جو حق میں سب کچھ پی کر بھی پیاسا رہے۔

سرخس میں دو بزرگ تھے۔ ایک کا نام لقمان اور دوسرے کا نام ابوالفضل حسن تھا۔ ایک روز لقمان ابوالفضل کے پاس آئے اور ان کے ہاتھ میں ایک کتاب دیکھ کر کہا۔ اے ابوالفضل اس کتاب میں کیا تلاش کر رہے ہو۔

فرمانے لگے کہ اسے تلاش کر رہا ہوں جسے تم اس کو چھوڑ کر تلاش کر رہے ہو۔

انہوں نے فرمایا۔ یہ خلاف کیوں ہے؟

فرمانے لگے: خلاف تم دیکھ رہے ہو اور مجھ سے دریافت کر رہے ہو لہٰذا تم جاگو ہوشیار رہو اور ہوشیاری کی سے بیدار ہو کر تم سے خلاف اٹھ جائے اور یہاں تک کہ ہم اور تم کس کو تلاش کر رہے ہیں!

حکایت ہے کہ جب حسین بن منصور حلاج اپنے غلبۂ حال میں عمرو بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ سے علیحدہ ہو کر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے تو انہوں نے فرمایا کیوں آئے ہو۔

منصور نے عرض کیا۔ مرشد کی صحبت میں رہنے کے لیے۔

حضرت جنید نے فرمایا مجھے دیوانوں کی صحبت درکار نہیں کیونکہ صحبت کے لیے صحت چاہیے۔ جب تم آفت سے صحبت کرو گے تو ایسا ہو گا جیسے تم نے سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ اور عمرو بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ صحبت کی۔

حسین بن منصور نے جواب دیا۔ یا شیخ! ہوش اور مدہوشی انسان کی صفات ہیں اور انسان کے ساتھ اس وقت وابستہ ہیں جب تک وہ اپنے خدا سے محجوب ہے یہاں تک کہ اس کی صفات فنا ہو جائیں۔

حضرت جنید نے فرمایا۔ اے منصور! ہوش اور مدہوشی میں تم نے غلطی کی ہے اس لیے کہ بلا خوف ہوش کو مستلزم یہ ہے کہ انسان کا حال اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیسا ہو اور یہ معلوم انسان کی صفت اور اس کے اکتساب حق کے تحت داخل نہیں ہے اور اے منصور! میں نے تیرے کلام میں بہت فضولیات اور بے معنی باتیں دیکھی ہیں۔

ایثار و قربانی

یہ مشہور حکایت ہے کہ جس وقت غلام الخلیل نے صوفیائے کرام کے ساتھ دشمنی کا اظہار کیا اور ہر ایک کو اذیت پہنچانے کے در پے ہو گیا تو حضرت نوری، حضرت رقام اور حضرت ابوحمزہ کو گرفتار کر کے دارالخلافہ میں لے جایا گیا۔ اس وقت غلام الخلیل نے کہا کہ یہ زندیقوں کی جماعت ہے۔ اگر امیر المومنین ان کے قتل کا حکم دے دیں تو ان کا فتنہ ہمیشہ کے لیے پاک ہو جائے کیونکہ یہ ان کے سرغنہ ہیں اور جس کے ہاتھ سے ان کے قتل کی نیکی ہو میں اس کے بڑے اجر و ثواب کا ضامن ہوں۔

خلیفہ نے حسب معمول ہی غلام الخلیل کی سفارشات پر اسی وقت سب کی گردن اڑانے کا حکم دے دیا۔ جلاد آیا اور تینوں کے ہاتھ باندھے اور سب سے پہلے حضرت رقام کو قتل کرنے کے لیے تلوار اٹھائی تو حضرت نوری جلدی سے اٹھے اور رقام کی جگہ خود تلوار کی زد میں آ گئے۔ سب لوگوں نے اس پر حیرانی کا اظہار کیا۔ جلاد نے کہا۔

اے جوان مرد! یہ تلوار ایسی نہیں کہ اسے طلب کیا جائے اور تم اس کے سامنے آ جاؤ، ابھی تمہاری باری نہیں آئی۔

حضرت نوری نے فرمایا۔ ٹھیک کہتے ہو لیکن میرا طریقہ ایثار پر مبنی ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ محبوب چیز زندگی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ زندگی کے جو باقی سانس ہیں وہ بھی اپنے بھائیوں پر قربان کر دوں کیونکہ میرے نزدیک دنیا میں ایک سانس لینا آخرت کے ہزار سال سے بہتر ہے کیونکہ دنیا خدمت کی جگہ ہے اور آخرت قربت کی، اور قربت خدمت کر کے ہی حاصل کی جا سکتی ہے۔

خلیفہ کو جب اس معاملے کی خبر ہوئی تو وہ ان کی طبیعت کی نرمی اور کلام کی باریکی پر ایسا حیرت زدہ ہوا کہ اسی وقت قاصد کو بھیجا کہ ابھی ان کے معاملے میں توقف کیا جائے۔ اس وقت چیف جسٹس ابوالعباس بن علی تھے۔ خلیفہ نے ان کے احوال کی تحقیق کا کام ان کے سپرد کر دیا۔ ابوالعباس ان تینوں کو اپنے گھر لے گئے۔ اس نے شریعت

اور حقیقت کے اسلام کے بارے میں سوالات کیے۔ اس نے ان کو ہر سوال کے جواب میں کامل پایا اور ان کے احوال سے اپنی غفلت و نادانی پر شرمسار ہوا۔ اس وقت حضرت شقیق نے فرمایا:

"اے حاتم! جو کچھ تو نے پوچھا ہے ابھی کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ کھاتے پیتے، بیٹھتے اور اس کے ساتھ کلام کرتے ہیں۔ جب یہ بات معلوم ہوئی تو اسی وقت ان کی گفتگو اور ان کے حال کی روئیداد لکھ کر خلیفہ کے پاس بھیج دی اور کہا:

"اگر تیری جماعت مُردوں کی ہے تو جان لے میں ہر گز ان میں سے نہیں ہوں اور توحید پرست ہوں، کوئی اپنی ... اور خلیفہ دیتا ہوں کہ روئے زمین پر کوئی مرد نہیں ہے۔"

اگر کوئی ضرورت ہو تو بتاؤ!

انھوں نے کہا: اے خلیفہ! ہمیں تم سے یہ حاجت ہے کہ تم ہم سب کو فراموش کر دو، اور اپنی مقبولیت سے ہمیں اپنا مقرب نہ بناؤ اور نہ ہی دوستی کے لیے ہی ہمیں مرید بناؤ کیونکہ تمہاری دوستی تمہاری مقبولیت سے مشابہ ہے اور تمہاری قربت تمہاری دوری کی مانند ہے۔

خلیفہ یہ سن کر رونے لگا اور عزت و احترام کے ساتھ انھیں روانہ کر دیا۔

نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مچھلی کی خواہش ہوئی۔ شہر میں مچھلی تلاش کی گئی لیکن دستیاب نہ ہوئی۔ چند روز بعد مجھے مچھلی مل گئی میں نے اسے تلا، پھر تلی ہوئی مچھلی کو ان کے سامنے پیش کیا تو ان کے ماتھے پر خوشی کی جھلک پیدا ہو گئی۔ اسی وقت ایک سائل دروازے پر آگیا۔ انھوں نے حکم دیا کہ یہ مچھلی سائل کو دے دی جائے۔

غلام نے عرض کیا۔ اے میرے آقا! آپ اتنے دن سے اسے تلاش کر رہے تھے آپ کو اس کی خواہش تھی اور اب اسے سائل کو کیوں دے رہے ہیں؟ میں سائل کو کچھ اور چیز دے دیتا ہوں۔

انھوں نے فرمایا: اے غلام! اس کا کھانا مجھ پر حرام ہے کیونکہ میرے دل میں اس کی خواہش نہیں رہی۔ میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی۔ اس وقت حضور نے فرمایا جسے کسی چیز کی خواہش ہو اور اسے مل جائے پھر وہ اس سے ہاتھ کھینچ لے اور اپنی جان سے بڑھ کر دوسرے کو بخشے تو بیشک اللہ تعالیٰ اس ایثار پر اسے بخش دیتا ہے۔

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں نے ایک حکایت میں پایا کہ دس درویش جنگل میں جا رہے تھے۔ سفر کے دوران انھیں پیاس لگی۔ ان کے پاس صرف ایک پیالہ شربت تھا ہر ایک خود نہیں پیتا تھا بلکہ دوسرے کو دے دیتا تھا۔ اس طرح وہ پیالہ کوئی بھی نہ پی سکا اور ان میں سے نو درویش پیاس کی شدت سے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ صرف ایک درویش رہ گیا۔ اس نے بتایا کہ جب میں نے دیکھا کہ سب مر گئے ہیں تو میں نے اسے پی لیا اور مجھے ہوش آگیا جسم میں طاقت محسوس ہوئی تو کسی نے اس سے کہا اگر تم بھی نہ پیتے تو اچھا تھا۔

درویش نے کہا اے شخص شریعت کو کیا کہا ہے اگر اس وقت اسے نہ پیتا تو میں اپنی جان کا قاتل ہوتا اور میں پکڑا جاتا۔

کسی نے کہا۔ پھر وہ نو درویش بھی اپنی جانوں کے قاتل ٹھہرے۔

درویش نے جواب دیا۔ نہیں کیونکہ انھوں نے تو ایک دوسرے کی خاطر نہ پیا

لیکن پیالہ بچا رہا اور وہ اس کی خاطر دنیا ہی سے انتقال کر گئے۔ صرف میں اکیلا رہ گیا تو اب پیالہ شربت کو پینا مجھ پر واجب ہو گیا کہ میں اسے پی لوں۔

امیر المومنین سیدنا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سوئے اور حضور سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے غار ثور میں تشریف فرما ہوئے۔ اس رات کفار نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل و میکائیل علیہما السلام سے فرمایا:

میں نے تم دونوں کے درمیان برادری اور محبت پیدا کر کے ایک دوسرے کی زندگی دراز کر دی ہے۔ اب تم بتاؤ کہ تم میں سے کون ہے جو اپنی زندگی کو دوسرے پر قربان کر کے اپنی موت کو چاہے۔ ان دونوں نے اپنی زندگی ہی کو اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل و میکائیل سے فرمایا:

"تم حضرت علی کی بزرگی و فضیلت دیکھو کہ میں نے علی اور اپنے رسول کے درمیان برادری قائم فرمائی۔ اگر علی نے ان کے مقابلہ میں اپنے قتل اور اپنی موت کو پسند کیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ سو گئے اور اپنی جان کو ان پر فدا کر دیا اپنی زندگی کو ان پر نثار کر دیا اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ اب تم دونوں زمین پر جاؤ اور علی کو دشمن سے محفوظ رکھو۔ اسی وقت حضرت جبرئیل و میکائیل علیہما السلام آئے ایک حضرت علی کے سر اور دوسرا ان کے پاؤں کی طرف بیٹھ گئے۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا:

اے ابو طالب کے فرزند! کون ہے جو تمہاری مثل ہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں پر تمہارے ساتھ مباہات فرماتا ہے۔ تم اپنی نیند میں خوش ہو۔" اسی واقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

"اور بعض لوگوں میں سے کون ہے جو اپنی جان کو خدا کی رضا کی خواہش میں فروخت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کے ساتھ مہربان ہے!"

جس وقت اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احد میں سختی و مشقت کے ذریعہ مسلمانوں کا امتحان لیا تو ایک انصاری پر ... شربت کا پیالہ لے کر ... اگر کسی اپنے دوست کو پلا دے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میدان جنگ میں ایک بزرگ صحابی کو زخمی حالت میں دیکھا جو آخری سانس لے رہے تھے اس نے اشارہ کیا کہ میرا ... جب میں پانی لے کر پہنچا تو دوسرا زخمی پکارا مجھے پانی پلاؤ۔ پہلے زخمی نے پانی نہ پیا اور مجھ سے کہا اس کے پاس لے جاؤ جب میں اس کے پاس پہنچا تو تیسرے زخمی نے آواز دی پانی۔ دوسرے زخمی نے بھی نہ پیا اور کہا اس کے پاس لے جاؤ۔ یہاں تک کہ اسی طرح سات زخمیوں سے اس کا واسطہ پڑا جب وہ ساتویں کے پاس پہنچا اور اس نے جام اٹھا کر پانی پینا چاہا تو اس نے جان دے دی۔ پھر وہ واپس پہلے کے پاس آیا تو اس نے بھی جان دے دی تھی اسی طرح ہر ایک زخمی اپنی جان اللہ تعالیٰ کے سپرد کر چکا تھا۔ اس وقت یہ آیت اتری۔

"اور وہ مسلمان اپنی جانوں پر ایثار کرتے ہیں اگرچہ وہ تنگی میں ہوں۔"

بنی اسرائیل میں ایک راہب تھا جس نے چار سو سال تک عبادت کی۔ ایک دن اس نے کہا:

اے خدا! اگر اس پہاڑ کو پیدا نہ فرمایا ہوتا تو لوگوں کو سیر و سیاحت میں بڑی آسانی ہوتی۔ اس زمانہ کے نبی صلوٰۃ اللہ علیہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"تم اس راہب کو بتاؤ کہ ہماری مملکت و اختیار میں تمہیں مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور تم نے مداخلت کر کے گستاخی کی ہے۔ لہٰذا تیرا نام نیک بختوں کی فہرست سے نکال کر نامرادوں اور بدبختوں کی فہرست میں لکھ دیا گیا ہے۔"

نفس سے کہا: اس لیے کہ میری پیدائش مٹی سے ہے اور مٹی کو جو چیزیں تکلیف پہنچاتی ہیں آگ ہے۔ مجھے راحت ہوتی ہے اور جو چیزیں دوسروں کو راحت دیتی ہیں ان سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔

حضرت شیخ ابو العباس شقانی رحمۃ اللہ علیہ امام وقت تھے فرماتے ہیں ایک دن میں گھر میں گیا تو زرد رنگ کے کتے کو اپنی جگہ سوتے ہوئے دیکھا۔ میں نے خیال کیا کہ شاید محلے سے کہیں آگیا ہے۔ اسے باہر نکالنے کا ارادہ کیا مگر وہ میرے دامن میں گھس گیا۔

حضرت شیخ ابو القاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ابتدائی حال کی نشانی بتلاتے ہیں کہ میں نے نفس کو سانپ کی شکل میں دیکھا ہے اور ایک دوسرے بزرگ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے نفس کو چوہے کی شکل میں دیکھا تو میں نے اس سے پوچھا۔

تو کون ہے؟

اس نے جواب دیا: میں غافلوں کی ہلاکت ہوں۔ میں اپنے ساتھ والوں کو شرارت و برائی کی راہ پر چلانے والا اور دوستوں کی نجات ہوں کیونکہ میرا وجود آفت سے ہے۔ اگر میں ان کے ساتھ نہ ہوں تو وہ اپنی پاکیزگی و طہارت پر مغرور ہو کر اپنے اعمال پر فخر کرنے لگتے۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ سنا کہ روم میں ایک راہب ہے جو ستر سال سے کلیسا میں زہد و رہبانیت میں مشغول ہے۔ میں نے کہا کہ تعجب ہے کہ رہبانیت کی شرط تو چالیس سال ہوتی ہے۔ یہ آدم زاد کس طریقہ پر ستر سال سے اس کلیسا میں بیٹھا ہوا ہے جب میں اس کے کلیسا کے قریب پہنچا تو اس نے کھڑکی کھول کر مجھ سے کہا:

اے ابراہیم! میں جانتا ہوں کہ تم کس لیے آئے ہو۔ میں اس جگہ رہبانیت کی غرض سے ستر سال سے نہیں بیٹھا ہوا بلکہ میرے پاس ایک کتا ہے جو خواہش میں سرکش ہے میں اس کتے کی رکھوالی کر رہا ہوں تاکہ لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں ورنہ ایسا نہ ہوگا۔

حضرت ابراہیم نے یہ سن کر خدا سے عرض کیا: اے اللہ! تو قادر ہے کہ عین گمراہی میں بندے کو اس طرح کے طریقہ حق کی راہ سے نوازے۔

راہب نے کہا: اے ابراہیم! تم کب تک لوگوں کی طلب میں رہو گے، جاؤ اپنے آپ کو تلاش کرو جب تم اپنے آپ کو پالو تو اس کا نگہبان رہو کیونکہ یہ نفس ہر روز تین سو ساٹھ قسم کی الوہیت کا لباس پہن کر انسان کو گمراہی کی طرف بلاتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"میں نے ایک شخص کو ہوا میں اڑتے ہوئے دیکھا۔ میں نے اس سے پوچھا:

تمہیں یہ درجہ کیسے حاصل ہوا؟ اس نے جواب دیا:

میں اپنے نفس پر پاؤں رکھ کر ہوا میں اڑتا ہوں۔"

حضرت ابو علی حیاء مروزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حمام میں گیا ہوا تھا اور سنت کے مطابق استرہ کی رعایت کر رہا تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا: اے ابو علی! تو شہوتوں کی جڑ ہے اور اس سے تجھے کتنی آفتوں میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ اسے اپنے وجود سے کاٹ کر پھینک دو تاکہ شہوت سے محفوظ رہو۔ اسی وقت ایک آواز میرے کانوں میں آئی کہ تم جو تکلیف شہوت کر رہے ہو، بھلے سے بھلے ہر کسی عضو کے تابع ہیں کوئی عضو دوسرے سے بہتر نہیں ہے۔ مجھے اپنی عزت کی قسم! اگر تم نے اسے جدا کر دیا تو میں تمہارے ہر بال کو سو گنا شہوت دے دوں گا ہر ایک کا قائم مقام بنا دوں گا۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہو گئے۔ ایک طبیب ان کے پاس آیا اور کہنے لگا، پرہیز کیجیے۔

آپ نے فرمایا: کس چیز سے پرہیز کروں؟ کیا اس سے جو میری روزی ہے یا اس چیز سے جو میری روزی نہیں ہے۔ اگر پرہیز روزی سے متعلق ہے تو ایسا ہو ہی نہیں سکتا اگر اس کے سوا کچھ اور ہے تو وہ اللہ تعالیٰ مجھے دیتا ہی نہیں۔

اثبات روایت

سیدنا عمر فاروق عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں جب دریائے نیل کا پانی خشک ہو گیا۔ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ ہر سال ایک خوبصورت لڑکی کو زیورات سے آراستہ کر کے دریائے نیل کی بھینٹ کیا جاتا تو دریا اس وقت جاری ہو جاتا۔ مصر کے گورنر نے یہ صورت حال لکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھیج دی۔ آپ نے گورنر کے حکم کی توثیق فرماتے ہوئے ایک کاغذ پر یہ تحریر لکھ کر ارسال فرمائی اور انہیں حکم فرمایا کہ اس تحریر کو دریائے نیل میں پھینک کر ڈال دیں۔ اس رقعہ پر تحریر تھا۔

"اے پانی! اگر تو خدا کے حکم سے رکا ہے تو جاری ہو جا اور اگر اپنی مرضی سے رکا ہے تو عمر کہتا ہے کہ جاری ہو جا۔"

جب یہ رقعہ پانی میں ڈالا گیا تو پانی جوش مارنے لگا اور کبھی خشک نہ ہوا۔ یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت حقیقی تھی۔

حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ایک مرتبہ لوگوں نے مجھے بتایا کہ کسی شہر میں اولیاء اللہ میں ایک ولی رہتا ہے۔ میں اٹھا اور اس کی زیارت کے ارادہ سے آیا۔ وہ صاحب مسجد میں ان کی مسجد کے پاس پہنچا تو وہ مسجد سے باہر آ رہے تھے اور اپنے منہ سے تھوک کر مسجد میں ڈال دیا۔ میں وہیں سے لوٹ آیا۔ اسے سلام تک نہ کیا۔ میں نے دل میں کہا کہ ولی کو لازم ہے کہ شریعت کی پاسداری کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اس پر ولایت محفوظ رکھے۔ اگر یہ شخص ولی ہوتا تو اپنے منہ سے مسجد کی زمین پر اس کے احترام میں نہ تھوکتا اس کے حق کی حفاظت کرتا اور اس کی کرامت کو درست رکھتا۔ اسی رات نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو خواب میں دیکھا آپ نے مجھے فرمایا:

"اے ابو یزید! جو کام تم نے کیا ہے اس کی برکتیں تمہیں ضرور حاصل ہوں گی۔"

کوئی شخص حضرت شاہ سید کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے مسجد میں پہلے بایاں پاؤں داخل کیا۔ انہوں نے فرمایا اسے نکال دو جو شخص دوست کے گھر میں داخل ہونے کا سلیقہ نہیں رکھتا وہ ہماری مجلس کے لائق نہیں۔

حضرت ابراہیم خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی انتہائی تنہائی کی عادت کے مطابق جنگل میں چلا گیا۔ کچھ عرصہ بعد ایک کونے سے کوئی اٹھا۔ اس نے میرے ساتھ رہنے کی اجازت طلب کی۔ جب میں نے دیکھنے کے لیے اس پر نظر ڈالی تو میرے دل میں نفرت سی پیدا ہوئی اور میں نے خیال کیا یہ کس لائق ہے۔ اس نے کہا: اے ابراہیم! آزردہ خاطر نہ ہو میں نصرانی ہوں۔ ان کا راہب ہوں اور آپ کی صحبت کی تمنا میں روم سے آیا ہوں۔

اس وقت میں نے جانا: یہ غیر ہے تو میرے دل کو آسودگی ہوئی اور صحبت کا حق اور اس کا حق ادا کرنا میرے لیے آسان ہو گیا۔

میں نے اس سے کہا: اے نصرانی کے راہب! میرے پاس طعام و شراب نہیں ہے۔ مجھے خوف ہے کہ اس جنگل میں تمہیں کوئی تکلیف پہنچے۔

راہب نے جواب دیا: "اے ابراہیم! دنیا میں تو آپ کا اتنا شہرہ ہے کہ آپ ابھی تک طعام و شراب کے چکر میں پھنسے ہیں۔"

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے راہب کی اس خوش فہمی پر تعجب ہوا اور تجربے کے طور پر میں نے اس کو اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی کہ وہ اپنے دعوے میں کتنا سچا ہے۔

جب ہمیں ایک ساتھ سفر کرتے ہوئے سات دن اور سات راتیں گزر گئیں تو ہمیں پیاس محسوس ہوئی۔ راہب کھڑے ہو کر کہنے لگا۔

"اے ابراہیم! دنیا میں آپ کا شہرہ ہو رہا ہے۔ اب کچھ لائیے کہ آپ کیا رکھتے ہیں۔ پیاس اتنی شدید ہے کہ آپ کے حضور اس گستاخی کے سوا کوئی چارہ نظر نہیں آیا۔" حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنا سر زمین پر رکھا اور دعا کی۔ "اے خدا! مجھے اس غیر کے سامنے ذلیل و رسوا نہ کرنا کیونکہ وہ اپنی حضرت میں مجھ سے نیک گمان رکھتا ہے۔ کوئی بات نہیں کہ ایک کافر کا گمان مجھ سے اچھا ہو جائے۔"

حضرت ابراہیم نے سجدہ سے سر اٹھایا تو ایک طشت میں دو روٹیاں اور دو گلاس پانی کے رکھے ہوئے دیکھے۔ دونوں نے اسے کھایا اور وہاں سے آگے چل دیے۔ جب سات روز پھر اسی طرح گزر گئے تو میں نے دل میں سوچا کہ کیوں نہ اب اس کافر کا امتحان لیا جائے پیشتر اس کے کہ وہ مجھ سے کسی اور چیز کا سوال کرے اور پھر میں اس کی نظروں میں مجھ سے انحراف کرے اور میں اپنی ذلت دیکھوں۔

میں نے کہا: "اے نصرانی راہب! آج تمہاری باری ہے، آؤ دیکھیں کہ آج تمہارا مطلب سامنے کیا آتا ہے۔"

راہب نے یہ سن کر زمین پر سر رکھا اور کچھ دعا مانگی۔ اسی وقت ایک طشت ظاہر ہوا جس میں چار روٹیاں اور چار پانی کے گلاس تھے۔ میں اس پر حیرت زدہ ہو گیا اور آزردہ خاطر ہو کر اپنے احوال سے نا امید ہو گیا۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ میں یہ کھانا نہیں کھاؤں گا کیونکہ یہ ایک کافر کے لیے ظاہر ہوا ہے۔ اس میں اس کی معاونت ہے۔ میں اسے کیسے کھا سکتا ہوں؟ راہب نے کہا۔

"اے ابراہیم! اسے کھائیے۔" میں نے کہا: "میں نہیں کھاؤں گا۔"

راہب نے کہا: "آخر اس کی وجہ کیا ہے؟"

میں نے کہا: "اس لیے کہ تم اس کے اہل نہیں ہو اور یہ تمہارے قبیل سے نہیں ہے۔ میں اس معاملے پر سخت حیران ہوں کہ اگر اسے کرامت پر محمول کروں تو کافر پر کرامت کا اطلاق جائز نہیں اور اگر معونت کہوں تو مدعی کو شبہ ہوتا ہے۔"

راہب نے کہا: "کھائیے اور دو چیزوں کی بشارت سنیے۔ ایک تو میرے اسلام قبول کرنے کی، دوسرے یہ کہ آپ خدا کے نزدیک بہت بڑے بزرگ ہیں۔"

میں نے پوچھا: "وہ کیسے؟"

راہب نے جواب دیا: "اس لیے کہ اس جنس میں سے میرے پاس کچھ نہ تھا۔ میں نے صرف تمہاری شرم سے زمین پر سر رکھا تھا اور دعا مانگی تھی کہ اے خدا! اگر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچا ہے اور تیرا پسندیدہ ہے تو تو مجھے دو روٹی اور دو گلاس پانی دے اور اگر ابراہیم تیرا ولی ہے تو دو روٹی اور دو گلاس پانی اور دے۔ جب میں نے سر اٹھایا تو اس طشت کو موجود پایا۔" ابراہیم نے اس سے کھایا اور وہ جواں مرد جو راہب تھا، بزرگان دین میں سے ہوا۔

مشائخ طریقت اور تمام اہل سنت و جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی کافر کے ہاتھ سے معجزہ یا کرامت کے مشابہ کوئی خرق عادت فعل ظاہر ہونا جائز ہے کیونکہ شہادت کے موقعوں پر اس کا علم قطعی ہے اور کسی کو اس کے جھوٹے ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہوتا اور اس فعل کا اظہار اس کے جھوٹے ہونے پر گواہ بن جاتا ہے جیسے فرعون تھا۔ اس نے چار سو سال کی عمر پائی مگر اس دوران وہ کبھی بیمار تک نہ ہوا۔ اس کا حال یہ تھا کہ دریا کا پانی اس کی رفتار کے پیچھے [illegible] جب وہ کھڑا ہوتا تو پانی بھی ٹھہر جاتا اور جب چلنے لگتا تو پانی بھی چلنے لگتا لیکن ان تمام باتوں کے باوجود کسی عقلمند کو اس کے دعوائے خدائی کے جھوٹا ہونے میں کوئی شبہ نہ تھا کیونکہ ہر عقلمند کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم و ترکیب نہیں رکھتا۔ اگر ایسے افعال یا اس قسم کے اور بھی بہت سارے افعال اس سے ظاہر ہوں تو عاقل کے لیے اس کے دعوے کے جھوٹے ہونے میں کوئی شک و شبہ نہ ہوگا اور ـــــ بادشاہ ارم کے شداد اور نمرود کے ایسے ہی اسی قسم کے [illegible] ان کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔ اسی کے ہم معنی خبر ہمیں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے کہ آخر زمانہ میں دجال نکلے گا جو خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ اس کے دائیں جانب ایک پہاڑ اور دوسری جانب دوسرا پہاڑ اس کے ساتھ ساتھ چلے گا۔ دائیں جانب کو جنت کہے گا اور بائیں جانب کو دوزخ کہے گا۔ وہ لوگوں کو اپنی طرف بلائے گا اور جو اس کی دعوت کو قبول نہ کرے گا اسے سزا دے گا اور وہ لوگوں کو [illegible] قتل کرے گا پھر زندہ کرے گا۔ سارے جہان میں اسی کا حکم چلے گا۔ اگر وہ اس کی بجائے سو گنا زیادہ خرق عادت افعال ظاہر کرے لیکن کسی عقلمند کو اس کے جھوٹے ہونے میں کوئی شبہ نہ ہوگا اس لیے کہ ہر سمجھ دار اور عقلمند واضح طور پر جانتا ہے کہ خدا گدھے پر نہیں بیٹھتا، متغیر و متلون اور کانا نہیں ہوتا۔ ایسی باتوں کو استدراج کہتے ہیں۔

ایک دن حضرت حارث رحمۃ اللہ علیہ دنیا سے ایسے گم ہو گئے کہ [illegible] سے مل گئے۔ اسی وقت انہوں نے فرمایا:

"میں نے اپنے آپ کو دنیا سے الگ کر لیا۔ اب میرے لیے دنیا کا سونا چاندی اینٹ اور پتھر کے برابر ہے۔" دوسرے دن لوگوں نے انہیں کام کرتے دیکھا۔ لوگوں نے پوچھا: "اے حارث! کیا کر رہے ہو؟" انہوں نے فرمایا: "اپنی روزی حاصل کر رہا ہوں کیونکہ اس کے بغیر چارہ کار نہیں۔"

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے استاد امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ انہوں نے طریق سلطان کا ابتدائی حال بیان کیا، طریق نے کہا:

"ہم ایک روز [illegible] پتھر [illegible] اس لیے [illegible] ہاتھ میں [illegible] اس کی مراد کے مقابلہ میں پتھر سے زیادہ حقیر تھا۔"

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خواجہ امام خراسانی نے مرض میں اپنے بارے میں مجھے بتایا کہ میں بچہ تھا اور [illegible] شہتوت کے درخت کی تلاش میں وہاں کسی محلہ میں گیا اور ایک درخت پر چڑھ کر ایک شاخ کو ہلا رہا تھا [illegible] اس وقت میں درخت پر تھا۔ انہوں نے نہ تو مجھے دیکھا اور نہ ہی [illegible] وہ اس وقت اپنے آپ سے غائب تھے اور ان کا دل خدا کے ساتھ مشغول و قائم تھا۔ پھر اچانک انہوں نے اپنا سر اٹھایا اور کہا:

"اے خدا! ایک سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا تو نے مجھے ایک دمڑی تک روزی کر

میں سر کے بال تک جلا دیا۔ کیا دوستوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت درخت کے تمام پتے، شاخیں اور جڑیں سونے کی ہو گئیں۔ اسی وقت مرشد نے کہا: عجیب بات ہے کہ میری گنہگاری پر میرے دل کی کشادگی کے بجائے جواب استقرار ہے۔ میں تم سے ایک بات بھی نہیں کر سکتا۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ہے کہ انھوں نے چار ہزار اشرفیاں دریا میں پھینک دیں۔ لوگوں نے کہا: یہ کیا کرتے ہو؟

انھوں نے فرمایا: پتھر پانی کے ساتھ زیادہ بہتر ہے۔

لوگوں نے کہا: بہتر تھا کہ انھیں مخلوق خدا میں بانٹ دیتے۔ فرمایا سبحان اللہ! اپنے دل سے حجاب اٹھا کر مسلمان بھائیوں کے دل پر ڈال دوں۔ میں خدا کو کیا جواب دوں گا۔ کیونکہ دین کی یہ شرط نہیں ہے کہ مسلمان بھائیوں کو اپنے سے بدتر سمجھیں۔

حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا: "اے ابوبکر! آج میں تمہیں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔"

میں نے عرض کیا: "شیخ کا حکم سر آنکھوں پر۔" یہ کہہ کر میں ان کے ساتھ چل دیا۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ میں نے ایک گھنا جنگل دیکھا۔ اس جنگل کے درمیان ایک سرسبز درخت کے نیچے عالیشان تخت بچھا ہوا تھا۔ ساتھ ہی ایک پانی کا چشمہ تھا اور ایک شخص عمدہ لباس میں ملبوس اس تخت پر بیٹھا تھا۔ جب محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ اس کے قریب ہوئے تو وہ شخص کھڑا ہو گیا اور انھیں اپنے پاس اس تخت پر بٹھا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہر طرف سے لوگ آنے لگے یہاں تک کہ چالیس آدمی جمع ہو گئے۔ انھوں نے کوئی اشارہ کیا۔ اسی وقت آسمان سے کچھ کھانے کی چیزیں ظاہر ہوئیں جنھیں ہم سب نے کھایا۔ محمد بن علی نے کوئی سوال کیا اور اس مرد نے اس کا بہت طویل جواب دیا جس کا میں ایک لفظ نہ سمجھ سکا۔ کچھ عرصہ بعد اجازت مانگی اور واپس آ گئے۔ راستے میں محمد بن علی نے مجھے فرمایا: "جاؤ تم نیک بخت ہو۔" جب کم مدت کے بعد ہم دوبارہ ترمذ تشریف لائے تو میں نے پوچھا:

"اے شیخ! وہ کون سی جگہ تھی اور وہ کون شخص تھا؟"

فرمایا: وہ بنی اسرائیل کا جنگل تھا اور وہ مرد قطب مدار علیہ تھا۔ میں نے عرض کیا: اے شیخ! اتنی کم مدت میں ترمذ سے بنی اسرائیل کے جنگل میں کیسے پہنچ گئے؟ فرمایا: اے ابوبکر! انھیں پہنچنے سے کام ہے ذکر پوچھنے اور سبب دریافت کرنے سے۔

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ معجزہ اور کرامت کے موضوع پر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آصف بن برخیا کی کرامت کی ہمیں خبر دی کہ جس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام نے چاہا کہ بلقیس کا تخت ان کے سامنے پیش کیا جائے اور انھوں نے تخت اس جگہ حاضر کر دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آصف کی شرافت دنیا کے لوگوں پر ظاہر ہو جائے اور وہ اپنی کرامت لوگوں پر ظاہر کریں کیونکہ اولیاء کی کرامات جائز ہیں۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: کون ہے جو بلقیس کے آنے سے پہلے اس کا تخت ہمارے سامنے لے آئے اور سب لوگوں کو دکھائے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی کہ جنات میں سے ایک دیو عفریت نے کہا:

"میں آپ کی مجلس برخاست ہونے سے پہلے لے آؤں گا۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا اس سے جلدی درکار ہے۔

حضرت آصف بن برخیا نے عرض کیا: "میں آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے اسے لے آؤں گا۔" پھر جب انھوں نے نظر اٹھائی تو تخت موجود تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے آصف کے اس عمل پر نہ تو حیرت کا اظہار کیا اور نہ ہی اس سے انکار کیا اور نہ اسے محال جانا۔ لہٰذا یہ کسی صورت بھی معجزہ نہ تھا کیونکہ حضرت آصف نبی نہ تھے اسے کرامت ہی کہا جائے گا۔ اگر معجزہ ہوتا تو حضرت سلیمان علیہ السلام سے ظہور پذیر ہوتا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سیدہ مریم علیہا السلام کے قصے کی خبر دی کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام ان کے پاس تشریف لاتے تو ان کے پاس ——— گرمی کے موسم میں سردیوں کے میوے اور پھل تھے۔ آپ نے تعجب کا اظہار فرمایا: "تمہارے پاس یہ میوے کہاں سے آئے!"

حضرت مریم نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت مریم نبی نہ تھیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کی واضح طور پر خبر دی اور فرمایا:

"اے مریم! درخت کی ٹہنی اپنی طرف ہلاؤ، وہ تم پر تروتازہ کھجوریں گرائے گا۔"

احادیث صحیحہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث غار مروی ہے کہ ایک روز صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! گزشتہ امتوں کے احوال میں سے کوئی عجیب چیز بیان فرمائیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے گزشتہ زمانے میں تین شخص کہیں جا رہے تھے، جب رات کا وقت آیا تو ایک غار میں چلے گئے اور وہاں سو گئے۔ جب رات کا ایک پہر گزر گیا تو پہاڑ سے ایک بڑا پتھر لڑھکا اور غار کے منہ پر آ کر گرا جس سے غار کا منہ بند ہو گیا۔ سب پریشان ہو گئے اور سب کہنے لگے کہ یہاں سے ہمیں اس وقت تک نجات نہیں مل سکتی جب تک کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے بے ریا کاموں کے اعمال کو یاد کر کے خدا سے ان کی شفاعت حاصل نہیں کرتا۔ اس کے مطابق ایک نے کہا:

"میرے ماں باپ تھے اور میرے پاس دنیاوی مال میں سے سوائے ایک بکری کے کچھ نہ تھا۔ اس کا دودھ ماں باپ کو پلاتا۔ روزانہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتا اور انھیں فروخت کر کے اپنا اور ان کا کھانا تیار کرتا۔ ایک رات میں کچھ دیر سے آیا اور وہ دودھ اور کھانا لانے سے پہلے ہی سو گئے۔ میں نے بھی کچھ نہ کھایا اور دودھ کا پیالہ ہاتھ میں لیے ساری رات ان کے بیدار ہونے کے انتظار میں کھڑا رہا۔ جب صبح ہوئی اور میرے ماں باپ بیدار ہوئے میں نے انھیں کھانا کھلایا اور تب کہیں بیٹھا۔ یہ واقعہ سنانے کے بعد اس نے دعا مانگی۔

"اے خدا! اگر میں سچ کہہ رہا ہوں تو ہمارے لیے راستہ کھول دے اور ہماری فریاد کو قبول فرما۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس وقت وہ پتھر ہلا اور تھوڑا سا شگاف پیدا ہو گیا۔ دوسرے نے کہا:

میرے چچا کی ایک خوبصورت لڑکی تھی میں اس پر عاشق تھا۔ میں اسے بلاتا لیکن وہ انکار کر دیتی۔ ایک دفعہ میں نے چالاکی سے سو اشرفیاں دیں تاکہ وہ میرے پاس آ جائے۔ جب وہ آئی تو میرا دل خوف خدا سے کانپ اٹھا۔ میں نے اسے چھوڑ دیا اور اشرفیاں بھی اسی کے پاس رہنے دیں۔ پھر دعا کی۔

"اے خدا! اگر میں سچ کہہ رہا ہوں تو ہمارے لیے کشادگی پیدا فرما۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس وقت پتھر نے پھر حرکت کی اور شگاف کچھ زیادہ ہو گیا لیکن ابھی اس شگاف میں سے ان کا نکلنا مشکل تھا۔

تیسرے نے کہا: خدا گواہ ہے میرے پاس کچھ مزدور کام کرتے تھے جب کام ختم ہو گیا تو میں نے تمام مزدوروں کی اجرت دے کر رخصت کر دیا لیکن ان میں سے ایک مزدور

غائب تھا۔ میں نے اس کی مزدوری کی اُجرت سے ایک بھیڑ خرید لی۔ دوسرے سال وہ دو ہوگئیں۔ اور تیسرے سال چار ہوگئیں۔ ہر سال اسی طرح بھیڑوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ چند سال میں وہ ریوڑ میں تبدیل ہوگئیں۔ اتفاق سے وہ مزدور آ گیا اور کہنے لگا تمھیں یاد ہو گا کہ بہت عرصہ پہلے میں نے تمھاری مزدوری کی تھی۔ لہٰذا میری اُجرت ادا کرو۔ میں نے اس سے کہا، وہ تمام بھیڑیں لے جاؤ وہ سب تمھارا مال ہے تم اس کے مالک ہو۔ مزدور کہنے لگا کیوں مجھ سے مذاق کر رہے ہو۔ لیکن میں نے اسے یقین دلایا اور کہا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں میں نے وہ تمام مال تمھارے لیے جمع کر کے رکھا ہے تم اُسے لے جاؤ۔ یہ واقعہ سنا کر اس نے دعا مانگی: "اے خدا اگر میں سچا ہوں تو ہمارے لیے کشادگی فرما۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ پتھر غار کے دہانے سے ہٹ گیا اور تینوں شخص باہر نکل آئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جریج راہب کی حدیث مشہور ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بچپن میں کسی نے کلام نہیں کیا مگر تین شخص کے بچے، جن میں ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ دوسرے بنی اسرائیل میں جریج نامی راہب کے بچے ہیں۔ وہ ایک عبادت گزار شخص تھا اس کی ماں پردہ نشین تھی۔ ایک دن وہ اپنے بیٹے جریج کو دیکھنے آئی وہ عبادت خانہ کے حجرہ میں نماز ادا کر رہا تھا۔ دروازہ نہ کھولا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی دروازہ نہ کھولا اس کی ماں نے دل برداشتہ ہو کر کہا۔

"اے خدا! میرے بیٹے کو رسوائی کے حق میں پکڑ لے۔"

اسی دوران ایک عورت نے ایک گروہ کو شرط میں کہا کہ میں جریج کو بے راہ کر دوں گی۔ وہ اس خیال سے اس کے حجرے میں آئی لیکن جریج نے اس کی طرف التفات نہ کیا۔ راستے میں ایک چرواہے کے پاس اس نے رات گزاری اور وہ اس سے حاملہ ہو گئی۔ جب وہ آئی الزام میں آنا ترک نہ کی۔

"یہ حمل جریج کا ہے"

جب اس نے ایک بچے کو جنم دیا تو لوگوں نے جریج کے حجرے میں گھس کر اُسے پکڑ لیا اور بادشاہ کے سامنے لے گئے۔ اس وقت جریج نے بچے کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"اے بچے! بتا تیرا باپ کون ہے؟"

بچے نے جواب دیا: "اے جریج! میری ماں نے تم پر الزام لگایا ہے۔ میرا باپ فلاں چرواہا ہے۔"

تیسرا ایک اور عورت کا بچہ تھا جو اپنے گھر کے دروازہ پر خوبصورت لباس پہنے بیٹھی تھی۔ ایک حسین و جمیل سوار اس طرف سے گزرا اور عورت نے دعا کی۔

"اے خدا! میرے اس بچے کو اس سوار کی مانند بنا دے۔" بچے نے فوراً کہا "اے خدا مجھے ایسا نہ کر۔" تھوڑی دیر بعد ایک بدنام عورت گزری۔ بچے کی ماں نے کہا "اے خدا میرے اس بچے کو اس عورت جیسا نہ بنا۔" اسی وقت بچے نے کہا "اے خدا! مجھے اس عورت جیسا بنا دے۔" بچے کی ماں نے حیران ہو کر پوچھا: "اے بچے ایسا کیوں کہتا ہے۔" بچے نے جواب دیا "وہ سوار مغرور اور ظالم ہے اور یہ عورت اصلاح پسند ہے۔ لیکن اسے لوگ بُرا کہتے ہیں مگر وہ بے حیائی نہیں کرتی۔ میں نہیں چاہتا کہ میں ظالموں اور متکبروں میں سے ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اصلاح کنندہ بنوں۔"

ایک حدیث امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باندی زائدہ کی بہت مشہور ہے۔ ایک دن زائدہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں اور انھوں نے سلام عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے زائدہ! تم بہت دنوں بعد کیوں آئی ہو۔ تم فرمانبردار ہو اور میں تمھاری قدر کرتا ہوں۔"

زائدہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ایک عجیب بات سنانے آئی ہوں۔

فرمایا وہ کیا بات ہے!

زائدہ نے کہا: "میں صبح کے وقت میں لکڑیاں تلاش کرنے گئی اور ایک گٹھا باندھ کر پتھر پر رکھا چاہا تو اسے اٹھا نہ سکی۔ میں نے ایک سوار کو آسمان سے زمین پر اترتے دیکھا اس نے مجھے سلام کیا۔ پھر کہنے لگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ رضوان نامی خازنِ جنت نے پیش کیا ہے اور آپ کو بشارت دی ہے کہ جنت کو آپ کی اُمت کے لیے تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک ان کے لیے جو بے حساب جنت میں داخل ہوں گے اور دوسرے وہ لوگ جن کا حساب آسان ہو گا اور تیسرے وہ آپ کی سفارش اور آپ کے وسیلے سے جنت میں جائیں گے۔ اتنا کہہ کر وہ آسمان پر چڑھنے لگے۔ پھر زمین و آسمان کے درمیان سے میری طرف متوجہ ہوئے۔ میں لکڑیوں کا گٹھا اٹھا رہی تھی اور وہ مجھ سے اٹھایا نہیں جاتا تھا۔ انھوں نے کہا۔ اے زائدہ! اسے پتھر پر رکھ، پھر پتھر سے کہا۔ اے پتھر! اس گٹھے کو زائدہ کے ساتھ حضرت عمرؓ کے مکان تک لے جاؤ۔ اس پتھر نے ایسا ہی کیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تک پہنچا دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور اپنے صحابہ کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لائے اور پتھر کے آنے جانے کا نشان ملاحظہ فرمایا اور حضور نے فرمایا۔ الحمدللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا سے اس حال میں رخصت نہ کیا کہ رضوان کے ذریعہ میری امت کی بشارت مرحمت فرمائی اور میری اُمت میں سے ایک عورت کو جس کا نام زائدہ ہے اسے مریم علیہا السلام کے درجہ پر فائز فرمایا۔"

مشہور واقعہ ہے کہ حضرت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر جہاد کے لیے روانہ کیا۔ لشکر کی راہ میں ایک دریا آگیا۔ تمام لشکر والوں نے اس میں پاؤں رکھا اور سب گزر گئے اور کسی کا پاؤں تک نہ بھیگا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ کسی سفر میں تھے دیکھا کہ ایک جماعت راستے کے کنارے خوف زدہ کھڑی تھی اور ایک شیر اُن کا راستہ روکے کھڑا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا۔

"اے کتے! اگر تو اللہ کے حکم سے راستہ روکے کھڑا ہے تو راستہ نہ دے اور اگر نہیں تو ہمارا راستہ چھوڑ دے تاکہ ہم گزر جائیں۔" شیر اٹھا، اُن کے آگے سر جھکایا اور راستے سے ہٹ گیا۔

حضرت ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ نے ہوا میں ایک شخص کو اُڑتے ہوئے دیکھا۔ انھوں نے اس شخص سے پوچھا، اے خدا کے بندے تجھے یہ کمال کس چیز سے حاصل ہوا ہے۔ اس نے کہا تھوڑی سی چیز سے۔ دریافت فرمایا وہ کیا چیز ہے؟

اس نے کہا میں نے دنیا سے منہ موڑ لیا ہے اور خدا کے فرمان سے دل لگا لیا ہے۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھا، تم کیا چاہتے ہو؟

انھوں نے جواب دیا ایک مکان ہوا میں میرے لیے ہو تاکہ میرا دل لوگوں سے جدا ہو جائے۔

ایک بادشاہ بھی مدینہ میں آیا۔ اس نے حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں پوچھا لوگوں نے بتایا کہ وہ فلاں کھجور کے باغ میں سو رہے ہیں۔ وہ وہاں گیا اور ان کو اس حال میں سویا ہوا

پایا کہ وہ ان کے سر کے نیچے تھا۔ میں نے دل میں سوچا، جہان میں سارا فتنہ انہی کا ہے اس وقت ان کو مار ڈالنا میرے لیے بہت آسان ہے۔ اس لیے ان کو قتل کرنے کے لیے تلوار سونتی لیکن اتنے میں دو شیر نمودار ہوئے دونوں نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ میں نے مدد کے لیے چیخ پکار کی۔ اتنے میں حضرت عمرؓ جاگ گئے۔ میں نے سارا واقعہ سنا کر اسلام قبول کر لیا۔

منقول ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سواد عراق سے تحفوں میں ایک ڈبہ آیا جس میں زہر قاتل تھا اور اس سے زیادہ سخت زہر کوئی اور نہ تھا۔ انھوں نے اس ڈبہ کو کھولا اور زہر کو ہتھیلی پر رکھ کر بسم اللہ پڑھی اور منہ میں ڈال لیا، زہر نے کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ لوگ حیران رہ گئے اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ عبادان میں ایک حبشی عابد تھا جو ویرانہ میں رہتا تھا۔ ایک دن میں بازار سے کچھ خرید کر اس کے پاس لے گیا۔ اس نے پوچھا کیا چیز ہے؟ میں نے جواب دیا کھانا لایا ہوں۔

وہ میری طرف دیکھ کر ہنسا اور ہاتھ کا اشارہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ اس ویرانہ مکان کے تمام اینٹ اور پتھر سونے کے بن گئے۔ میں اپنے کیے پر نادم ہوا اور جو کچھ لے کر گیا تھا وہیں پھینک کر عابد کے رعب سے بھاگ کھڑا ہوا۔

حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک چرواہے کے پاس سے گزرا اور اس سے پینے کے لیے پانی طلب کیا۔ اس نے کہا میرے پاس تو دودھ ہے پانی کیوں مانگتے ہو۔

میں نے کہا۔ مجھے پانی ہی چاہیے۔

وہ اٹھا اور لکڑی کو پتھر پر مارا۔ اس پتھر سے صاف و شیریں پانی جاری ہو گیا۔ میں اس سے حیران ہو گیا۔ اس نے مجھے کہا۔ اس میں حیران ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ جب بندہ حق تعالیٰ کا فرمانبردار ہو جاتا ہے تو سارا جہان اس کے حکم کے ماتحت ہو جاتا ہے۔

حضرت ام درداءؓ اور حضرت سلمانؓ ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے اور کھانے میں سے تسبیح کے کلمات نکل رہے تھے۔

حضرت ابو سعید خرازؒ سے منقول ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں جنگل میں جا رہا تھا اور معمول تھا کہ ہر تیسرے روز کھانا کھاتا تھا۔ جب تیسرے دن کے بعد تیسرا دن گزر گیا تو کھانا نہ ملنے کی وجہ سے کمزوری محسوس ہونے لگی اور طبیعت کھانے کو چاہنے لگی، ایک جگہ بیٹھ گیا۔ غیب سے ایک آواز آئی: "اے ابو سعید! تم اس لیے کھانا چاہتے ہو یا وہ سبب چاہتے ہو جس سے بغیر غذا کے کمزوری دور ہو جائے۔" میں نے عرض کیا: "اے خدا! مجھے قوت دیجیے۔" اسی وقت قوت آ گئی اور میں نے اٹھ کر بغیر کھائے پیئے بارہ منزلیں طے کر لیں۔

مشہور ہے کہ شہر تستر میں حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ کے گھر کو لوگ بیت السباع کہتے ہیں اور تستر کے رہنے والے اس پر متفق ہیں کہ ان کے پاس بکثرت درندے اور طیور آتے۔ وہ ان کو کھانا کھلاتے اور خاطر مدارات کرتے تھے۔

حضرت ابو القاسم مروزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ دریا کے کنارے جا رہا تھا۔ میں نے ایک گدڑی پوش نوجوان کو دیکھا اور دوات اس کی کمر میں لٹکی ہوئی تھی۔ حضرت ابو سعید نے فرمایا اس جوان کی پیشانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ طریقت میں کوئی منزل رکھتا ہے۔ جب اس طرف دیکھتا ہوں اور کہتا ہوں کہ یہ منتہی کو پہنچا ہوا ہے اور جب دوات کی طرف نظر اٹھاتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ یہ ابھی طالب و مرید ہے۔ لگا اس سے پوچھیں کہ حقیقت کیا ہے۔

چنانچہ ابو سعیدؒ نے پوچھا: "اے جوان! خدا کی راہ کون سی ہے؟"

اس نے جواب دیا خدا کے راستے دو ہیں، ایک عوام کی راہ ہے دوسرے خواص کی راہ۔ مگر تمہیں خواص کی راہ کا پتہ ہی نہیں ہے لیکن عوام کی راہ وہ ہے جس پر تم گامزن اور اپنی ریاضت و مجاہدہ کو وصول حق کا ذریعہ جانتے ہو اور تم نے دوات کو حجاب کا سبب سمجھا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایک جماعت کے ساتھ کشتی میں بیٹھا مصر سے جدہ کا سفر کر رہا تھا اور کشتی میں ایک جوان گدڑی پہنے ہم سفر تھا۔ میری خواہش تھی کہ میں اس کی صحبت میں بیٹھوں مگر اس کی ہیبت اتنی تھی کہ بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی کیونکہ وہ بہت ہی معزز تھا اس کا کوئی وقت عبادت سے خالی نہ تھا۔ اس دوران ایک روز ایک شخص کی جواہرات کی تھیلی گم ہو گئی۔ تھیلی کے مالک نے اس جوان پر الزام لگایا اور اس پر سختی کرنا چاہی۔ میں نے اس سے کہا تم اس سے بات نہ کرو میں اس سے خوب اچھی طرح معلوم کر لیتا ہوں۔ میں اس کے پاس گیا اور اس سے نہایت نرمی سے بات کی اور بتایا کہ یہ لوگ تم پر اس قسم کا شک کر رہے ہیں میں نے ان کو سختی کرنے سے باز رکھا ہے۔ اب تم بتاؤ کیا کیا جائے۔

اس نے یہ سن کر آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کچھ پڑھا۔ اسی لمحے میں نے دیکھا کہ مچھلیاں پانی سے منہ نکالے ہوئے ہیں اور ہر ایک کے منہ میں ایک ایک موتی ہے۔ اس جوان نے ایک مچھلی کے منہ سے موتی لیا اور اس شخص کو دے دیا۔ کشتی میں تمام لوگ اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ وہ جوان اپنی جگہ سے اٹھا اور پانی پر پاؤں رکھ کر چلا گیا۔ جس شخص نے تھیلی چرائی تھی، وہ کشتی میں ہی تھا اس نے فوراً تھیلی نکال کر مالک کو واپس کر دی اور تمام کشتی والے شرمندہ ہو کر رہ گئے۔

حضرت ابراہیم رقی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں ابتدائی احوال میں حضرت مسلم مغربی کی زیارت کرنے گیا۔ جب میں مسجد میں داخل ہوا تو وہ امامت کر رہے تھے اور الحمد غلط پڑھ رہے تھے۔ میں نے دل میں سوچا کہ میری محنت ضائع ہو گئی۔ اس رات میں وہیں رہا۔ دوسرے دن طہارت کے لیے اٹھا تاکہ نہر فرات کے کنارے جا کر وضو کروں۔ راستے میں دیکھا کہ ایک شیر راہ میں سو رہا ہے۔ میں لوٹ آیا اور دیکھا کہ ایک اور شیر میرے پیچھے دھاڑتا ہوا آ رہا ہے۔ میں مجبور ہو کر رہ گیا۔ اس وقت حضرت مسلمؒ اپنے حجرے سے باہر نکل آئے۔ جب شیروں نے انہیں دیکھا تو سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے ہر ایک کو کان سے پکڑ کر سرزنش کی اور فرمایا۔

"اے خدا کے کتو! میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میرے مہمانوں کو پریشان نہ کیا کرو۔" اس کے بعد مجھ سے فرمایا: "اے ابو اسحٰق! تم لوگوں کے لیے ظاہر کی درستگی کے در پے ہو اور تم خلق سے ڈرتے ہو اور میں اللہ تعالیٰ کے لیے باطن کی درستگی میں مشغول ہوں اور مخلوق مجھ سے ڈرتی ہے۔"

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میرے مرشد رحمۃ اللہ علیہ نے بیت الجن سے دمشق جانے کا ارادہ فرمایا۔ بارش ہو رہی تھی، کیچڑ میں چلنا مشکل ہو رہا تھا۔ میں نے جب اپنے مرشد کی طرف دیکھا تو ان کے کپڑے اور جوتیاں خشک تھیں۔ میں نے ان سے عرض کیا تو فرمایا۔

"ہاں جب سے میں نے توکل کی راہ میں اپنے تمام خواہش و ارادہ کو ختم کر کے باطن کو لالچ کی وحشت سے محفوظ کر لیا ہے۔ اس وقت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے کیچڑ سے بچا لیا ہے۔

حضرت داتا علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک ایسا واقعہ میرے ساتھ پیش آیا کہ اسے حل کرنا میرے لیے دشوار ہو گیا۔ میں نے شیخ ابو القاسم گرگانی رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت کرنے کے لیے طوس جانے کا ارادہ کیا۔ میں نے ان کو وہاں مکان کی مسجد میں تنہا پایا اور وہ میرے ساتھ اسی واقعہ کو بعینہٖ مسجد کے ایک ستون سے بیان کر رہے تھے۔ میں نے عرض کیا: یا شیخ! یہ بات آپ کس سے فرما رہے تھے؟

فرمانے لگے: "اے بیٹے! اللہ تعالیٰ نے اس وقت اس ستون کو مجھ سے بات کرنے کا حکم فرمایا تھا تاکہ وہ مجھ سے سوال کرے۔"

فرغانہ میں سلاتک نامی ایک گاؤں ہے اور حضرت داتا علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ اس گاؤں میں ایک بزرگ زمین کے اوتاد میں سے تھے جنہیں لوگ باب عمر کے نام سے پکارتے تھے۔ اس شہر کے تمام درویش سب سے بڑے بزرگ کو باب کہتے ہیں۔ ان کے ہاں فاطمہ نام کی ایک بڑھیا عورت تھی میں نے ان کی زیارت کا ارادہ کیا۔ جب میں ان کے سامنے پہنچا تو انھوں نے پوچھا کس لیے آئے ہو؟

میں نے جواب دیا۔ آپ کی زیارت کے لیے۔

شیخ نے شفقت و مہربانی سے میری طرف دیکھا اور فرمایا: "اے بیٹے! میں خود فلاں دن سے تمہیں دیکھ رہا ہوں اور جب تک تم مجھ سے غائب نہ کر دیے جاؤ گے میں برابر دیکھتا رہوں گا۔" جب میں نے ان کے حساب سے دیکھنے کے دن پر غور کیا تو یہی روز و سال تھا جو میری توبہ و بیعت کا ابتدائی دن تھا۔ پھر فرمایا: "اے بیٹے! مسافت طے کرنا بچوں کا کام ہے۔ لہٰذا اس زیارت کے بعد ہمت کرو کہ حضوری حاصل ہو جائے۔ اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔" اس کے بعد فرمایا: "اے فاطمہ! جو ہو سکے لاؤ تاکہ یہ درویش کھائے۔" وہ ایک طباق تازہ انگوروں کا لائی حالانکہ وہ موسم انگوروں کا نہ تھا۔ اس طباق میں کچھ تازہ کھجوریں بھی تھیں۔ فرغانہ میں کھجوریں ہوتی ہی نہ تھیں۔" — حضرت داتا علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ ہی سے:

مہنہ میں ایک دن حضرت شیخ ابو سعیدؒ کے مزار پر عادت کے مطابق تنہا بیٹھا تھا کہ میں نے ایک سفید کبوتر دیکھا۔ وہ اڑتا ہوا آیا اور قبر کے اوپر پڑی ہوئی چادر کے نیچے چلا گیا۔ میں نے خیال کیا شاید یہ کسی کا چھوٹا ہوا ہے۔ جب میں اٹھا اور چادر کے نیچے نگاہ ڈالی تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔ میں حیرت و تعجب میں ڈوب گیا۔ یہاں تک کہ ایک رات میں نے انھیں خواب میں دیکھا اور اس واقعہ کے بارے میں دریافت فرمایا۔

"وہ کبوتر میرے معاملہ کی صفائی ہے جو روزانہ قبر میں میری ہم نشینی کے لیے آتی ہے۔"

حضرت بایزید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"میں نے دیکھا میرا جسم آسمان پر لے جایا گیا۔ کسی چیز پر نگاہ نہ ڈالی۔ جنت و دوزخ دکھائے گئے۔ ان کی طرف بھی نگاہ نہ ڈالی۔ موجودات و حجابات سے گزارا گیا۔ ان کی طرف بھی التفات نہ کیا۔ اس وقت میں پرندہ بن گیا۔ اس کا جسم احدیت سے تھا، ذات حق کی محبت میں ایسا پرواز کرتا رہا۔ یہاں تک کہ میں مقام تنزیہ سے گزرا اور ولایت کے میدان سے حاضر ہوا۔ وہاں احدیت کے درخت کو میں نے دیکھا۔ جب میں نے نگاہ ڈالی تو وہ سب کچھ میں ہی تھا۔ مناجات کی۔

"اے خدا! میری خودی کو تیری طرف راستہ نہیں ملتا اور مجھے اپنی خودی سے کوئی راہ مخلصی نظر نہیں آتی۔ رہنمائی فرما کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

فرمان الٰہی ہوا: "اے بایزید! تمہاری اپنی خودی سے نجات ہمارے دوست کی متابعت سے وابستہ ہے، اپنی آنکھوں کے لیے اس کے قدموں کی خاک کو سرمہ بناؤ اور اس کی پیروی میں ہمیشہ مصروف رہو۔"

جب فرشتوں کا فخر عبادت و مجاہدہ حد سے بڑھ گیا اور ہر ایک نے اپنے معاملہ کی صفائی کو اپنی دلیل بنا کر انسانوں کے حق میں زبان طعن دراز کی تو حق تعالیٰ نے چاہا کہ ان کا حال ان پر ظاہر فرما دے تو فرمایا:

"اے فرشتو! اپنے میں سے تین ایسے بزرگ ترین افراد کو منتخب کرو جن پر تمہیں اعتماد ہو، وہ دنیا پر جا کر زمین کے خلیفہ ہو جائیں اور مخلوق الٰہی کو تلاوت و راستی پر لائیں اور معاملات میں عدل و انصاف کریں۔ فرشتوں نے تین فرشتے چن لیے۔ ان میں سے ایک تو زمین پر آنے سے پہلے ہی زمین کی آفتوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے درخواست کرنے لگا کہ مجھے زمین پر نہ بھیجا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے روک دیا اور باقی دو فرشتے زمین پر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی خلقت و سرشت کو بدل دیا تاکہ کھانے پینے کے خواہشمند ہوں اور شہوت کی طرف مائل ہوں۔ یہاں تک کہ اس پر انھیں تاحیات سزا اقرار دیا اور فرشتوں نے آدمیوں کی فضیلت کو اپنے حوالے سے ظاہری طور پر جان لیا۔

(دو منصب کے پیشوا) ابو عبداللہ محمد بن خفیف شیرازی رحمتہ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں علوم باطنی کے عالم تھے۔ وہ نفسانی خواہشوں کی پیروی سے کنارہ کش تھے۔ انھوں نے چار سو نکاح کیے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بادشاہ کے خاندان سے تھے جس وقت انھوں نے توبہ کی تو شیراز کے تمام لوگ ان سے محبت کرنے لگے۔ جب ان کا حال عظیم ہو گیا تو شاہی خاندان اور دوسرے لوگوں کی لڑکیاں تبرک کی خاطر ان سے نکاح کی خواہش کرنے لگیں۔ وہ ان سے نکاح کرتے اور پہلی رات ہی بغیر دخول کے طلاق دے دیا کرتے۔ تاہم ان میں چالیس بیویاں ایسی تھیں جنہوں نے ایک ایک، دو دو یا تین تین راتیں ان کے ساتھ گزاری تھیں۔ ان میں سے صرف ایک بیوی چالیس سال تک ان کی صحبت میں رہی، وہ ایک وزیر کی بیٹی تھی۔

حضرت ابو الحسن علی بن بکران شیرازی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے دور وفات میں عورتوں کی ایک جماعت اکٹھی ہوئی اور آپس میں باتیں کرنے لگیں۔ ان سب کا اس پر اتفاق تھا کہ اس بزرگ سے خلوت و تنہائی میں کسی قسم کی شہوت رانی نہیں دیکھی گئی۔ ہر ایک کے دل میں وسوسے پیدا ہوتے تھے اور وہ حیران تھیں۔ اس سے پہلے کہا ہر ایک بادشاہ زادہ شہوت کا ایک خاص مزاج رکھتے ہیں۔ سب یہ کہتے تھے کہ ان کی صحبت کا راز وزیر زادی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کیونکہ وہ ان کی صحبت میں سالہا سال رہی ہے۔ وہ سب عورتوں میں ان کی محبوبہ تھی۔ حضرت ابو الحسن فرماتے ہیں ہم نے دو آدمیوں کو چن کر وزیرزادی کے پاس بھیجا۔ انھوں نے اس سے پوچھا چونکہ شیخ کو تم سے بڑی محبت رہی ہے۔ اس لیے ہمیں ان کی صحبت کی کوئی خاص بات بتاؤ۔ وزیرزادی نے کہا جب میں ان کے نکاح میں آئی تو کسی نے مجھ سے کہا کہ آج شیخ تمہارے پاس رہیں گے۔ میں نے عمدہ قسم کا کھانا تیار کیا اور خوب آراستہ و پیراستہ ہو کر ان کے انتظار میں بیٹھ گئی۔ جب وہ آئے تو میں نے کھانا آگے رکھا۔ انھوں نے مجھے بلایا اور کچھ دیر مجھے غور سے دیکھا۔ پھر کچھ دیر کھانے کو غور سے دیکھا۔ اس کے بعد انھوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی آستین میں رکھ لیا۔ سینے سے ناف تک پیٹ کے اندر پندرہ گرہیں پڑی ہوئی تھیں۔ انھوں نے فرمایا: اے وزیر کی لڑکی! پوچھو کہ یہ کیسی گرہیں ہیں؟ میں نے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ یہ سب صبر کی شدت کی بنا پر ہیں کہ ہر گرہ میں نے خوبصورت چہرے اور عمدہ کھانے سے صبر کیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ اٹھ کر چلے گئے۔ ان سے سب سے بڑا میرا معاملہ یہی ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی غرض سے ان کے آستانہ پر حاضر ہوا۔ دروازے پر پہنچ کر اس نے دستک دی۔
حضرت بایزیدؒ نے پوچھا:
کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟
مرید نے جواب دیا: "بایزید کی زیارت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔"
حضرت بایزیدؒ نے پوچھا۔ بایزید کون ہے؟ کہاں ہے اور وہ کیا ہے؟ میں مدت سے بایزید کو تلاش کر رہا ہوں لیکن وہ مجھے نہیں ملا۔
مرید نے ماجرا حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے سارا واقعہ عرض کیا۔ انھوں نے فرمایا میرے عزیز! بایزید تو خدا کی طرف جانے والوں میں جا ملا۔"
حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص نے درخواست کی: "کچھ عرصہ کے لیے میرے پاس آکر کچھ باتیں کریں۔ کیونکہ میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"
حضرت جنید نے فرمایا:
"اے جوان مرد! تم مجھ سے وہ چاہتے ہو جسے عرصہ دراز سے میں خود چاہتا ہوں۔ برسوں سے اسی تمنا میں ہوں کہ ایک لمحہ کے لیے تو میں اپنے آپ میں موجود رہوں لیکن اب تک ایسا وقت نہیں آیا اور اب تمہارے ساتھ میں کیسے رہ سکتا ہوں۔" حضرت جنیدؒ کہتے ہیں کہ مجھ پر ایسا وقت بھی گزرا ہے کہ تمام زمین و آسمان والے مجھ پر گریہ کناں رہتے تھے پھر ایسا زمانہ آیا کہ میں ان کے غائب ہو جانے پر روتا تھا۔ اب ایسا زمانہ آگیا ہے کہ مجھے نہ اپنی خبر ہے نہ زمین و آسمان کی۔
حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ ایک دن اپنے حجرے میں تھے۔ باہر سے کسی نے کہا: کیا بایزید حجرے میں ہیں؟
انھوں نے فرمایا۔ حجرے میں بجز حق کے کوئی دوسرا نہیں ہے۔
ایک بزرگ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک درویش مکہ میں آیا۔ وہ خانہ کعبہ کے سامنے ایک سال تک اس طرح بیٹھا رہا کہ اس نے نہ کچھ کھایا نہ پیا، نہ سویا اور نہ پیشاب کی حاجت کی۔ اس کی تمام ہستی خانہ کعبہ کے مشاہدہ میں گم تھی یہاں تک کہ اپنے آپ کو خانہ کعبہ سے اس طرح منسوب کیا کہ اس کا دیدار ہی اس کے جسم کی غذا اور اس کی روح کا پانی بن گیا۔
ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں سوگیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے دو فرشتے زمین پر آئے ہیں۔ میں نے کچھ عرصہ ان کی باتیں سنیں۔ ایک نے دوسرے سے کہا:
"جو کچھ یہ شخص کہتا ہے توحید کا علم ہے نہ کہ عین توحید۔"
"جب میں بیدار ہوا تو حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ توحید کے بارے میں بیان فرما رہے تھے۔ انھوں نے میری طرف رخ کر کے فرمایا۔ اے شخص! توحید کا بیان علم کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔"
حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کوفہ میں حضرت حسین بن منصور حلاجؒ کی زیارت کے لیے گئے تو ان سے حضرت حسین منصور نے دریافت کیا۔
"اے ابراہیم! اب تک تمہارے دن اور رات کہاں اور کیسے گزرتے ہیں؟"
انھوں نے جواب دیا۔ اب تک اپنے توکل کو درست کیا ہے۔
حضرت حسین بن منصور نے فرمایا:
اے ابراہیم! اپنے باطن کی آبادی میں تم نے عمر ضائع کر دی۔ ابھی تک تمھیں توحید میں فنا میسر نہیں آئی!

توکل

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا۔ ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ فرمایا! میں ابھی اس کا جواب نہیں دے سکتا کیونکہ جو کچھ کہوں گا وہ عبارت محض ہوگی اور میرے لیے مناسب یہ ہے کہ میں عمل کے ساتھ جواب دوں۔ لیکن میں مکہ کو جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ تم بھی میرے ساتھ اسی غرض کے لیے چلو تاکہ اس سوال کا جواب پاسکو۔
راوی کتاب کہتے ہیں کہ ایسا ہی کیا۔ جب ہم ان کے ساتھ جنگل میں پہنچے تو ہر روز دو روٹی اور دو گلاس پانی کے غیب سے نمودار ہوتے رہے۔ ہم ایک میرے سامنے رکھ دیتے اور ایک اپنے آگے۔ یہاں تک کہ اسی جنگل میں ایک روز ایک بوڑھا سوار آیا۔ جب اس نے ہمیں دیکھا تو گھوڑے سے اتر آیا۔ ایک دوسرے کا مزاج پوچھنے کے بعد کچھ دیر باتیں کیں۔ پھر وہ گھوڑے پر سوار ہو کر واپس چلا گیا۔
میں نے عرض کیا: "اے شیخ! کیا آپ بتائیں گے کہ وہ کون تھا؟"
فرمایا۔ یہ تمہارے سوال کا جواب تھا۔
میں نے کہا۔ کیسے؟
فرمایا۔ وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ انھوں نے میرے ساتھ رہنے کی اجازت چاہی میں نے منظور نہیں کیا۔ میں نے پوچھا کیوں؟
فرمایا! میں نے خوف کیا کہ ان کی صحبت میں میرا اعتماد حق تعالیٰ کے سوا ان کے ساتھ ہو جائے گا۔ میرا توکل خراب و برباد ہو جائے گا۔ حالانکہ ایمان کی حقیقت توکل کی حفاظت ہے۔

باطنی اور ظاہری پاکیزگی

حضرت ابوطاہر حرمیؒ کہ مکہ میں چالیس سال اس حال میں مقیم رہے کہ کبھی حرم میں نہ رہے اور جب وہ حدود حرم سے باہر رفع حاجت کے لیے جاتے انھیں یہ خیال گھیر لیتا کہ یہ وہ زمین ہے جسے حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ منسوب فرمایا ہے۔ میں استنجاء یہاں نہیں اس لیے گوارا نہ کر سکتا ہوں۔
حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ رے کی جامع مسجد میں مرض اسہال میں مبتلا ہوگئے۔ انھوں نے ایک رات دن میں ساٹھ مرتبہ غسل کیا اور آخرکار ان کی وفات پانی میں ہوئی۔
حضرت ابو علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ عرصہ تک طہارت کے بارے میں وسوسہ کی بلا میں مبتلا رہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن دریا میں صبح سے غوطہ لگاتا رہا یہاں تک کہ سورج نکل آیا اور میں پانی میں ہی تھا۔ اس وقت میرے دل میں ملال آیا اور میں نے خدا سے استدعا کی۔ العافیۃ العافیۃ۔
دریا میں مجھے غیبی آواز سنائی دی۔ العافیۃ فی العلم۔ آرام علم میں ہے۔
حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے مرض الموت میں ایک نماز کے لیے ساٹھ مرتبہ طہارت کی۔ اس مرض موت میں دنیا سے انتقال کے وقت خدا سے دعا کی۔ اے خدا! موت کا حکم اس وقت آئے جب میں پاک ہوں۔
حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن مسجد میں جانے کے لیے طہارت کی تو انھوں نے ایک غیبی آواز سنی۔ تم نے ظاہر کو اتنا ستھرا کر لیا ہے۔ باطن کی صفائی کہاں ہے؟
حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ واپس آئے اور اپنا تمام ساز و سامان تقسیم کر دیا اور ایک سال

تک صرف اتنا ہی کپڑا رہتا ہے جس سے نماز جائز ہو سکے۔ پھر جب وہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے تو حضرت جنیدؒ نے فرمایا:

اے ابوبکر! جو طہارت تم نے کی ہے وہ بہت فائدہ مند ہے۔ اللہ تعالیٰ اس طہارت پر تمہیں قائم رکھے۔

اس کے بعد حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ آخر وقت تک باطہارت رہے۔ جب ان کے انتقال کا وقت آیا تو ان کی طہارت زائل ہو گئی۔ آپ نے ایک مرید کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ طہارت کرائے۔ مرید نے طہارت کرائی لیکن داڑھی میں خلال کرنا وہ بھول گیا۔ اس وقت ان میں بولنے کی طاقت نہ تھی کہ زبان سے فرماتے۔ انہوں نے مرید کا ہاتھ پکڑ کر داڑھی کی طرف اشارہ فرمایا۔ اس نے خلال کیا۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے کبھی بھی طہارت کے آداب میں سے کوئی ادب ترک نہیں کیا۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن طہارت کی۔ جب مسجد میں داخل ہونے کے لیے دروازہ تک گئے تو ان کے دل میں آواز آئی۔

اے ابوبکر! تم ایسی طہارت رکھتے ہو اور اس گستاخی کے ساتھ ہمارے گھر میں داخل ہونا چاہتے ہو۔ یہ سن کر وہ واپس آنے لگے تو آواز آئی۔

کہاں جا رہے ہو؟

حضرت شبلیؒ نے چیخ ماری اور آواز آئی۔ طعنہ کرتے ہو۔ وہ اپنی جگہ پر خاموش کھڑے ہو گئے۔ آواز آئی۔

تم ہم پر بلا کے تحمل کا دعویٰ کرتے ہو۔ اس وقت حضرت شبلیؒ نے پکارا۔

اے خدا! تیری جانب سے تیری ہی طرف فریاد ہے۔

توبہ

حضرت ابو عمروؒ نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ میں نے ابتداء میں حضرت ابو عثمانؒ کی مجلس میں توبہ کی اور اس پر کچھ عرصہ قائم رہا۔ پھر میرے دل میں گناہ کی خواہش پیدا ہوئی اور میں گناہ کا مرتکب ہو گیا۔ میں اس شرمندگی کی وجہ سے ان کی صحبت سے کنارہ کش ہو گیا۔ میں جب بھی انہیں دور سے آتے ہوئے دیکھتا تو مارے شرمندگی کے دور بھاگ جاتا کہ ان کی نظر مجھ پر نہ پڑ جائے۔ ایک روز اتفاق سے میرا ان سے آمنا سامنا ہو گیا۔

انہوں نے فرمایا: اے فرزند! تم اپنے دشمنوں کی صحبت اختیار نہ کرو۔ مگر اس وقت جبکہ تم معصوم ہو جاؤ اس لیے کہ دشمن تمہارے عیب کو دیکھتا ہے اور تمہارے عیب دار ہونے سے خوش ہوتا ہے اور جب تم معصوم ہو جاتے ہو وہ غمزدہ ہو جاتا ہے۔ اگر تمہاری خواہش یہی ہے کہ گناہ کرو تو ہمارے پاس آ جایا کرو۔ ہم مصیبت دلانے میں تمہاری حفاظت کریں ____ اور تمہارے دشمن کو خوش ہونے کا موقع نہ دیں۔

ابو عمرو کہتے ہیں کہ پھر میرا دل گناہ سے سیر ہو گیا اور گناہ سے سچی توبہ مل گئی۔

حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کے بارے میں سنا کہ اس نے گناہ سے توبہ کرنے کے بعد پھر گناہ کا ارتکاب کیا۔ اس وقت وہ شرمندہ ہو گیا۔ ایک دن اس نے اپنے دل میں کہا اگر میں پھر توبہ کروں تو میرا حال کیا ہو گا؟

اسی وقت ہاتف نے آواز دی۔

تو نے ہماری اطاعت کی ہم نے اسے قبول کیا۔ پھر تم نے بے وفائی کی اور ہمیں چھوڑ دیا تو ہم نے تمہیں مہلت دی۔ اگر تم پھر توبہ کرو اور ہماری جانب لوٹ آؤ تو ہم تمہیں پھر قبول کر لیں گے۔

نماز

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز ادا فرماتے تو آپ کے دل میں ایسا جوش اٹھتا جیسے دیگ میں جوش اٹھتا ہے۔

سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ جب نماز کا ارادہ فرماتے تو ان کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا اور فرماتے کہ اس امانت کے ادا کرنے کا وقت آ گیا ہے جس کا بوجھ زمین و آسمان اٹھانے سے عاجز آ گئے تھے۔

حضرت حاتم اصمؒ سے ایک درویش نے پوچھا۔

آپ کس طرح نماز ادا کرتے ہیں؟

فرمایا۔ جب اس کا وقت آتا ہے تو ایک ظاہری وضو کرتا ہوں اور دوسرا باطنی۔ ظاہری وضو پانی سے اور باطنی وضو توبہ سے۔ پھر جب مسجد میں آتا ہوں تو مسجد حرام کے سامنے اور اپنے دونوں ابروؤں کے درمیان مقام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رکھتا ہوں۔ اپنی داہنی جانب جنت اور بائیں جانب دوزخ کو دیکھتا ہوں۔ قدم پل صراط پر ہوتا ہے اور ملک الموت کو اپنے پیچھے گمان کرتا ہوں۔ اس حالت میں پوری تعظیم کے ساتھ، قیام حرمت کے ساتھ، قرأت ہیبت کے ساتھ، رکوع تواضع کے ساتھ، سجدہ عاجزی کے ساتھ، جلسہ حلم و وقار کے ساتھ اور سلام شکر کے ساتھ پھیرتا ہوں۔

مشائخ طریقت نے اپنے مریدوں کو دن رات میں چار سو رکعات کا حکم دیا ہے تاکہ ان کا جسم عبادت کا عادی بن جائے اور مشائخ طریقت نے اپنے مریدوں کو بتایا ہے کہ صاحبان استقامت بھی قبولیت حق کے شکرانہ میں بکثرت نمازیں پڑھتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک کر دی گئی ہے۔“ اس کا مطلب ہے کہ میری تمام راحتیں نماز میں ہیں۔ اسی لیے اہل استقامت کا مشرب نماز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معراج میں لے جایا گیا اور مقام قرب میں فائز کیا گیا تو آپ کے نفس کو دنیا کی قید سے آزاد کر دیا گیا اور اس درجہ میں پہنچایا گیا کہ آپ کا نفس دل کے درجہ میں، دل روح کے درجہ میں، روح سر کے مقام میں اور سر درجات میں فانی ہو گیا۔ مقامات کو محو کر کے نشانوں سے بے نشان اور مشاہدہ میں مشاہدہ سے غائب ہو گیا۔ پھر ساتھ ہی ساتھ اس طرح تاثر ہوا کہ آپ کی انسانی اور بشری صفت پگھل گئی اور آپ کا انسانی وجود گیا۔ آپ کی اپنی طبعی قوت باقی نہ رہی۔ شواہد ربانی آپ کے اختیار میں نمایاں ہو گئے۔ اپنی خودی سے نکل کر ستاری کی بے انتہائی میں پہنچ گئے۔ دل کی مشام ذوق میں کھو گئے اور اسرار شوق سے بے اختیار ہو کر اللہ تعالیٰ سے مناجات کی کہ اے میرے رب مجھے ان بلاؤں کی جگہ واپس مت کر، مجھے طبیعت کی قید میں مبتلا نہ ڈال۔ فرمان الٰہی ہوا: ”اے محبوب! ہمارا حکم ایسا ہی ہے کہ ہم تمہیں دنیا میں واپس بھیج دیں تاکہ تمہارے ذریعے شریعت کا قیام ہو اور جو کچھ ہم نے تمہیں یہاں عطا کیا ہے وہاں بھی رحمت فرمائیں گے۔“ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا میں واپس تشریف لائے تو جب بھی آپ کا دل مقام عالی کا مشتاق ہوتا فرماتے: ”بلال! نماز کی اذان دے کر ہمیں راحت پہنچاؤ۔“ لہٰذا آپ کی ہر نماز معراج و قربت ہوتی۔ نماز میں اللہ تعالیٰ کی جو راستی کو دیکھتے، آپ کی جان نماز میں ہوتی۔ گر آپ کا دل نیاز میں، باطن راز میں اور آپ کا جسم حالت گداز میں ہوتا۔ یہاں تک کہ آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہو گئی۔ آپ کا جسم ملک میں ہوتا اور جان ملکوت میں۔ آپ کا جسم انسانی ہوتا اور آپ کی جان انس و محبت

کے مقام میں۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"محب صادق وہ ہے جس پر حق تعالیٰ کا قرب اور وہ مقرر ہو کہ جب نماز کا وقت آئے تو وہ بندے کو ادائیگی پر آمادہ کرے۔ اگر وہ سویا ہوا ہو تو اسے بیدار کر دے۔" یہ کیفیت حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ پر طاری رہتی تھی۔ وہ زمانہ پیری کے مرض میں تھے جب نماز کا وقت آجاتا تو وہ تندرست و بیدار ہو جاتے اور جب نماز ادا کر لیتے تو ان پر وہی مدہوشی طاری ہو جاتی۔

حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آپ پر چار سو رکعات نماز فرض کر رکھی تھی۔ لوگوں نے پوچھا اس درجہ کمال۔ پھر یہ اتنی مشقت کس لیے؟ حسین بن منصور حلاجؒ نے فرمایا:

یہ تمام رنج و راحت تمہارے حالات کا پتہ دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے دوست ایسے ہیں جن کی صفتیں تمام ہو چکی ہیں، ان پر نہ رنج اثر کرتا ہے اور نہ راحت۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہا تھا۔ جب انہوں نے تحریمہ کے وقت اللہ اکبر کہا تو بے ہوش ہو کر گر پڑے جیسے ان کے جسم میں جان و حرکت ہی نہیں ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جب بوڑھے ہو گئے تو اس بڑھاپے میں بھی جوانی کے کسی ورد کو نہ چھوڑا۔ لوگوں نے عرض کیا:

"یا شیخ! اب آپ بوڑھے اور کمزور ہو گئے ہیں، ان میں سے کچھ نوافل چھوڑ دیجئے۔ فرمایا یہ تو وہ چیزیں ہیں جن کی ابتدا میں اختیار کر کے اس مرتبہ پر پہنچا ہوں۔ اب یہ محال و ناممکن ہے کہ انتہا میں اس سے دست بردار ہو جاؤں۔"

حضرت عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے وہ عورت اچھی طرح یاد ہے جسے میں نے بچپن میں دیکھا جو بہت عبادت گزار تھی۔ اس عورت کی نماز کی حالت میں بچھو نے چالیس جگہ ڈنک مارا مگر اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ جب وہ نماز سے فارغ ہو گئی تو میں نے اس سے کہا: "اے اماں! اس بچھو کو تم نے کیوں نہ اپنے سے دور کیا؟"

اس عورت نے کہا بیٹے! تو ابھی بچہ ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ میں رب کے کام میں مشغول ہوتے ہوئے اپنا کام کرتی۔

حضرت ابوالخیر اقطع رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں میں گوشت خورہ پیدا ہو گیا۔ طبیبوں نے بہت علاج کیا لیکن نوبت یہاں تک پہنچی کہ پاؤں کا کاٹنا ضروری ہو گیا۔ طبیبوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ کو یہ پاؤں کٹوا دینا چاہیے مگر وہ اس پر راضی نہ ہوئے۔ آپ کے مریدوں نے طبیبوں سے کہا، نماز کی حالت میں ان کا پاؤں کاٹ دیا جائے کیونکہ اس وقت اقطع اپنی خبر نہیں ہوتی، چنانچہ طبیب نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو پاؤں کو کٹا ہوا پایا۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو نماز پڑھتے تو آپ آہستہ قرأت پڑھتے اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلند آواز سے پڑھتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔ اے ابوبکر! تم آہستہ کیوں پڑھتے ہو؟ عرض کیا جس سے مناجات کرتا ہوں وہ سنتا ہے خواہ بلند آواز سے کروں یا آہستہ کروں۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا۔ تم کیوں بلند آواز سے پڑھتے ہو؟ عرض کیا میں سوتے ہوؤں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ابوبکر! تم کچھ بلند آواز سے پڑھو اور اے عمر! تم کچھ آہستہ آواز میں اپنی عادت کے برعکس پڑھو۔"

محبت

حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی کے زمانہ میں ان کی محبت میں وارفتہ تھے اور جب انہوں نے ان کی قمیص مبارک پائی تو ان کی آنکھیں روشن و بینا ہو گئیں۔

حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ کو جب سولی پر چڑھایا گیا تو انہوں نے کہا کہ محبت کرنے والے کے لیے یہ خوشی کا مقام ہے کہ اپنی ہستی کو محبت کی راہ سے دور کر دے اور نفس کا اختیار محبوب کے بارے میں صرف کر دے اور خود کو فنا کر دے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ پر دیوانگی کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا اور انہیں ہسپتال رکھا گیا۔ ان سے عقیدت رکھنے والوں کا ایک گروہ عیادت کے لیے ہسپتال گیا۔ حضرت شبلیؒ نے دریافت کیا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا، ہم آپ سے محبت رکھنے والے ہیں۔ اس پر حضرت شبلیؒ نے ان کو پتھر مارنا شروع کر دیئے اور وہ تمام بھاگ گئے۔ حضرت شبلیؒ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو میرے مارنے پر بھاگتے نہیں ہو کیونکہ محبت کرنے والے محبوب کی مصیبت سے کبھی نہیں بھاگتے۔

زکوٰۃ

علمائے ظاہر میں سے کسی نے تجربہ کے طور پر حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ زکوٰۃ کی کتنی مقدار واجب ہے۔ حضرت شبلیؒ نے فرمایا:

جب بخیلی کے ساتھ دولت و درہم مال موجود ہو تو ہمارے مذہب کے مطابق پانچ درہم اور بیس دینار پر نصف دینار واجب ہے لیکن میرے مسلک کے مطابق کسی چیز کو اپنی ملکیت میں نہ رکھنا چاہیے تاکہ زکوٰۃ کی مشغولیت سے نجات حاصل ہو جائے۔

سوال کیا گیا اس مسلک میں تمہارا امام کون ہے؟

فرمایا: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو کچھ اُن کے پاس موجود تھا سب دے دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟

عرض کیا: خدا اور رسولؐ۔

حضرت داتا صاحبؒ ایک روز صوفیوں کی ایک جماعت کو درس دے رہے تھے۔ درس میں تمام مبتدی تھے۔ حضرت داتا صاحبؒ اس وقت ایک اونٹ کی زکوٰۃ کے مسئلے میں انہیں یہ مفہوم سمجھا رہے تھے کہ اونٹنی اور اونٹنی کے بچے کا کیا مسئلہ ہے اور ایک جاہل بیہودہ مجلس کے اندر بیٹھا تھا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور حضرت داتاؒ گنج بخش سے کہنے لگا، میرے پاس اونٹ نہیں ہیں۔ لہٰذا اونٹنی اور اونٹنی کے بچے کا علم میرے کس کام کا؟ حضرت داتا صاحبؒ نے فرمایا: "اے شیخ! جس طرح زکوٰۃ دینے کے لیے علم کی حاجت ہے اسی طرح ہی زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھی علم کی ضرورت ہے۔ اگر تمہیں کوئی شخص بنت لبون دے اور تم لے لو تو کیا اس وقت بھی کہو گے کہ مجھے بنت لبون کے علم کی ضرورت نہیں۔ اگر کسی کے پاس مال نہ ہو اور مال کے حصول کی کوئی صورت نہیں ہو تو کیا اس سے علم کا فرض ہونا جاتا رہے گا۔

جود و سخا

حضرت خلیل علیہ السلام کھانے کے وقت تک کھانا نہ کھاتے جب تک کہ کوئی مہمان نہ آ جاتا۔ ایک مرتبہ تین دن گزر گئے اور کوئی مہمان نہ آیا۔ اس روز اتفاق سے کسی کافر کا آپ کے دروازہ کے سامنے سے گزر ہوا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے؟ اس نے کہا میں کافر ہوں۔

آپ نے فرمایا تو میری مہمانی اور عزت کے قابل نہیں ہے۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آپ سے باز پرس فرمائی اور فرمایا "اے خلیل جسے میں نے ستر سال تک پالا تم نے اسے ایک دن روٹی نہ دی"۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جب حاتم کا بیٹا آیا تو آپ نے اس کے لیے اپنی چادر مبارک بچھائی اور فرمایا جب تمہارے پاس کسی قوم کا عزت والا آئے تو اس کی عزت کرو۔

حضرت داتا صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ایک سوداگر حضرت ابو سعید کی صحبت میں رہتا تھا۔ ایک روز کسی درویش نے سوداگر سے کچھ مانگا۔

سوداگر نے کہا میرے پاس ایک دینار ہے اور ایک سونے کا ٹکڑا ہے۔ سوداگر کے دل میں پہلے یہ خیال آیا کہ درویش کو دینار دے دینا چاہیے اور دوسرا خیال یہ آیا کہ اسے سونے کا ٹکڑا دے دیا جائے۔ سوداگر نے اسے سونے کا ٹکڑا دیا۔ جب حضرت ابو سعید کے سامنے یہ کیفیت پیش ہوئی تو آپ نے اس سے فرمایا۔

تم نے اللہ تعالیٰ سے بحث کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم دینار دو مگر تم نے سونے کا ٹکڑا دے دیا۔

حضرت شیخ ابو عبداللہ رودباری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرید کے گھر گئے۔ انھوں نے فرمایا اس کے گھر کا سامان بازار میں فروخت کر دو۔ جب مرید گھر آیا تو وہ اس سے بہت خوش ہوا اور شیخ کی خوشنودی کا شکر ادا کیا۔ جب اس کی بیوی آئی اور اس نے گھر کی حالت دیکھی تو اس نے اپنا کپڑا اتار کر دے دیا اور کہنے لگی۔ یہ بھی تو گھر کے سامان میں سے ہے اس کا کیا حکم ہے؟ مرید نے اس پر اعتراض کیا اور کہا یہ سراسر تکلف و اختیار ہے جو تم نے کیا ہے۔

عورت نے کہا۔ شیخ نے جو کچھ کیا وہ ان کا جود و سخا تھا۔ اب یہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے نفس کی ملکیت میں تصرف کریں تاکہ ہمارا جود بھی ظاہر ہو۔

خاوند نے کہا تم ٹھیک کہتی ہو لیکن جب ہم نے اپنے آپ کو شیخ کے سپرد کر دیا ہے تو ہم پر اس کا اختیار ایسا ہی ہے جیسا ہم پر ہمارا۔ یہی ہمارا جود ہے اور جود و سخا کی بات میں تکلف روا نہیں۔

حضرت شیخ ابو مسلم فارسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک جماعت کے ساتھ حجاز کے سفر پر تھا کہ حلوان کے قریب کچھ رہزنوں نے ہماری راہ روک لی اور انھوں نے ہمارا سارا سامان اور کپڑے تک چھین لیے۔ ہم نے بھی کوئی جھگڑا نہ کیا اور ان کی خوشی دیکھی۔ لیکن ہم سے ایک شخص رو رہا تھا جو بے قراری کا اظہار کر رہا تھا اور سامان دینے میں تامل کر رہا تھا۔ ایک رہزن نے تلوار سونت کر اسے مار ڈالنے کا ارادہ کیا۔ ہم سب نے ان کے اس گروہ کی سفارش کی۔ اس گروہ نے کہا یہ جائز نہیں کہ ہم اس سے رک جائیں کیونکہ ہمیں یقیناً اسے مار دینا چاہیے۔ ہم نے گروہ سے مارنے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا یہ صوفی نہیں ہے یہ اولیاء کی صحبت میں خیانت کرتا ہے۔ ایسے شخص کو نا پید کر دینا ہی بہتر ہے۔ ہم نے کہا یہ تم کس طرح کہتے ہو؟

انھوں نے کہا صوفیوں کا سب سے کم درجہ جود ہے اور یہ شخص چند پھٹے پرانے کپڑوں پر بے صبر ہے۔ یہ کیسے صوفی ہو سکتا ہے جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ جھگڑتا ہے حالانکہ ہم برسوں سے تمہارے اس کام کو کر رہے ہیں اور تمہارا راستہ روک رہے ہیں تمہارے تعلقات کو منقطع کرتے ہیں لیکن تم نے کبھی رنج کا اظہار نہیں کیا؟

حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی کی چراگاہ میں سے گزر رہے تھے۔ وہاں ایک حبشی غلام کو دیکھا جو بکریاں چرا رہا تھا اور کھانا کھا رہا تھا۔ اتنے میں ایک کتا آ گیا اور اس غلام کے سامنے بیٹھ گیا۔ غلام نے ایک روٹی نکال کر کتے کے آگے ڈال دی۔ اسی طرح غلام نے دوسری اور تیسری روٹی بھی کتے کو کھلا دی۔ حضرت عبداللہ غلام کے پاس گئے اور فرمایا۔

اے غلام! تمہارا کھانا روزانہ کتنا ہوتا ہے؟ اس نے کہا۔ اتنا ہی جتنا تم نے دیکھا ہے فرمایا پھر تم نے وہ سب کتے کو کیوں کھلا دیا؟

اس نے جواب دیا یہ کتوں کی جگہ نہیں ہے یہ کہیں دور سے آیا ہے کہ ایک تھا میں نے اسے اچھا نہ سمجھا کہ اس کی محنت کو ضائع کروں۔ حضرت عبداللہ کے دل کو یہ بات لگ گئی۔ انھوں نے اس غلام کو اور یہ چراگاہ معہ تمام بکریوں کے خرید لیا اور غلام کو آزاد کر کے فرمایا یہ سب بکریاں اور یہ چراگاہ تمہیں بخش دیتا ہوں۔ غلام نے ان کے لیے دعا کی اور بکریوں کو خیرات کر کے چراگاہ وقف کر دی اور خود وہاں سے چلا گیا۔

ایک شخص سیدنا امام حسن بن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے پر آیا اور کہا "اے فرزند رسول! مجھ پر چار سو درہم قرض ہیں"۔ حضرت امام حسن نے حکم دیا کہ اسے چار سو درہم دے دیے جائیں اور خود روتے ہوئے گھر کے اندر چلے گئے۔ لوگوں نے پوچھا "اے فرزند رسول! آپ روتے کیوں ہیں؟" فرمایا۔ اس لیے روتا ہوں کہ میں نے اس شخص کے حال کی جستجو میں کوتاہی کی اور میں نے اسے سوال کرنے کی ذلت میں ڈال دیا۔

حضرت ابو سہل صعلوکی رحمۃ اللہ علیہ کبھی خیرات کسی درویش کے ہاتھ پر نہ رکھتے جو چیز دینا ہوتی اسے کسی کے ہاتھ میں نہ دیتے بلکہ زمین پر رکھ دیتے تاکہ درویش اٹھا لے۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا۔ اس طرح دینے میں یہ خطرہ نہیں رہتا جو کسی مسلمان کے ہاتھ میں دینے سے ہو سکتا ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ میرا ہاتھ اونچا ہو اور مسلمان کا ہاتھ نیچا ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ ہے کہ بادشاہ حبش نے آپ کی خدمت میں کستوری تحفہ میں بھیجا۔ آپ نے اسے اسی وقت پانی میں گھول کر اپنے اور اپنے صحابہ پر ڈال دیا ________ حضور کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دو پہاڑوں کے درمیان کی بکریوں سے بھری ہوئی وادی بخش دی۔ جب وہ اپنی قوم میں گیا تو اس نے کہا۔ میری قوم کے لوگو! جاؤ تم سب مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا زیادہ عطا فرماتے ہیں کہ اپنی درویشی سے بھی نہیں ڈرتے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک درویش کو دیکھا کہ بادشاہ نے اس کے پاس تین ہزار درہم کی مالیت کا خالص سونا بھیجا۔ وہ سونے کے ان ٹکڑوں کو لے کر حمام میں چلا گیا اور سب لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

روزہ

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رمضان میں سفر

شیخ احمد حمادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا تو دیکھا کہ ان کے سامنے حلوے کی ایک پلیٹ دھری ہے اور وہ حلوہ کھا رہے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا "حلوہ کھاؤ"۔ میں نے بچوں کی طرح کہا۔ میں روزہ دار ہوں۔

شیخ نے پوچھا۔ روزہ کیوں رکھتے ہو؟

میں نے جواب دیا۔ فلاں بزرگ کی موافقت میں روزہ رکھتا ہوں۔

فرمایا۔ یہ درست نہیں کہ کسی مخلوق کا کوئی مخلوق موافقت کرے۔ یہ سن کر میں نے ارادہ کیا کہ روزہ کھول دوں۔ اسی لمحہ شیخ نے فرمایا جب تم نے اس کی موافقت کو ترک کرنے کا ارادہ کیا ہے تو اب میری موافقت نہ کرو کیونکہ میں بھی ایک مخلوق ہوں اور دونوں ایک سے نہیں؟

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضرت داتا گنج بخش نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! مجھے کوئی نصیحت فرمایئے" حضور نے فرمایا، اپنے حواس کو اپنے قبضہ میں رکھنا مکمل مجاہدہ ہے۔ اس لیے کہ تمام علوم کا حصول انہی پانچ دروازوں (حواس خمسہ) سے ہوتا ہے۔ ایک دیکھنے سے اور دوسرا چکھنے سے تیسرا سونگھنے سے چوتھا سننے سے اور پانچواں چھونے سے۔ یہ پانچوں حواس علم و عقل کے سب سالک ہیں۔ ان میں چار کے لیے تو ایک ایک مقام مخصوص ہے اور پانچواں تمام جسم میں پھیلا ہوا ہے۔ آنکھ دیکھنے کا مقام ہے رنگ و تجسم دیکھتی ہے۔ کان سننے کا مقام ہے اور وہ خبر اور آواز سنتا ہے۔ زبان چکھنے کا مقام ہے۔ وہ مزہ اور بے مزہ کو پہچانتی ہے۔ ناک سونگھنے کا مقام ہے وہ خوشبو اور بدبو کا پتہ دیتی ہے اور چھونے کے لیے کوئی خاص مقام نہیں ہے وہ تمام جسم میں پھیلا ہوا ہے اور انسان کے تمام اعضا میں نرمی، گرمی، سردی، سختی کا احساس ہوتا ہے کوئی علم ایسا نہیں جسے انسان معلوم کرنا چاہے مگر وہ اسے انہی پانچ دروازوں سے حاصل کرتا ہے بجز بدیہی باتوں اور الہام کے ان میں آفت جائز نہیں اور دراصل پانچ حواس خمسہ کی ضرورت ہے اور ان پانچوں حواس کے لیے صفائی اور کثافت ہے چنانچہ علم و عقل اور روح کے لیے قدرت دخل ہے اور نفس و ہوا کے لیے بھی کیونکہ یہ طاعت و معصیت اور سعادت و شقاوت کے درمیان سب ذرائع مشترک ہیں۔ اہل اللہ تعالیٰ کی ولایت و اختیار رکھنے اور دیکھنے میں یہ ہے کہ وہ کچھ بات سنے اور دیکھے۔ اسی طرح نفس کے لیے یہ ہے کہ وہ بری بات سنے اور شہوت کی نظر سے دیکھے کو اختیار ہے۔ چکھنے اور سونگھنے میں ولایت حق تعالیٰ یہ ہے کہ وہ کلام الٰہی کے اور سنت مصطفیٰ کی متابعت میں ہو اسی طرح نفس زبان چلتا اور شریعت کی مخالفت کا مائل ہے اس لیے روزہ دار کو لازم ہے کہ ان تمام حواس کو قید میں رکھے تاکہ مخالفت کے مقابلہ میں موافقت حاصل ہو اور وہ سچا روزہ دار ہو۔ محض کھانے پینے سے ہاتھ اٹھا لینا تو بچوں اور بوڑھی عورتوں کا عمل ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ جس روز شکم مادر سے پیدا ہوئے تو وہ روزہ دار تھے اور جس دن دنیا سے رخصت فرمائی اس دن بھی روزہ دار تھے لوگوں نے اس کا ثبوت ان کی مادر حق نے بیان کیا کہ جس دن وہ پیدا ہوئے ان کی پیدائش کا وقت صبح صادق تھا اور شام تک انہوں نے دودھ نہ پیا۔ جب وہ دنیا سے رخصت ہوئے تو روزہ سے تھے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری کے بارے میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ہر پندرہ دن کے بعد ایک مرتبہ کھانا کھاتے تھے اور رمضان میں عید الفطر تک کچھ نہ کھاتے تھے اور چار سو رکعات نماز پڑھتے۔

فارس الفقراء حضرت شیخ ابو نصر سراج رحمۃ اللہ علیہ جب رمضان المبارک میں بغداد پہنچے اور مسجد شونیزیہ میں تنہا ایک حجرہ ان کو دیا گیا تو انہیں آپ الگ حجرے میں ٹھہرایا گیا اور درویشوں کی امامت کا فرض سونپا گیا۔ حضرت نے عید تک درویشوں کی امامت فرمائی اور تراویح میں پانچ قرآن پاک ختم کیے۔ ہر رات ایک خادم ایک روٹی ان کے حجرے میں رکھ دیتا۔ جب عید کا دن آیا اور وہ عید کی نماز پڑھنے چلے گئے تو خادم نے حجرے کو صاف کرنے کے لیے قدم اندر رکھا تو تیس کی تیس روٹیاں ایک جگہ پڑی ہوئی تھیں۔

حضرت علی بن بکار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حفص کو دیکھا کہ تمام رمضان میں تمام پندرہ دن کے سوا کچھ نہ کھاتے۔

حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ ماہ رمضان میں شروع سے آخر تک گھاس کھاتے تھے حالانکہ وہ شدید گرمی کا زمانہ تھا اور روزانہ گندم کی مزدوری کیا کرتے تھے اس سے جو کچھ ملتا سب درویشوں میں تقسیم کر دیتے۔ رات بھر عبادت کرتے نماز میں مشغول رہتے حتیٰ کہ دن نکل آتا۔ وہ لوگوں کی نظروں کے سامنے رہتے تھے لوگ دیکھتے تھے کہ وہ کھاتے تھے نہ سوتے تھے۔

حضرت شیخ ابو عبداللہ خفیف رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ دنیا سے رخصت ہوئے تو انہوں نے مسلسل چالیس چلے کاٹے تھے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جنگل میں ایک بوڑھے کو دیکھا جو ہر سال دو چلے کیا کرتا تھا اور جب حضرت ابو محمد [illegible] دنیا سے رخصت ہوئے تو میں ان کے پاس موجود تھا۔ انہوں نے اسی دن تک کچھ نہ کھایا تھا اور کوئی نماز بغیر جماعت کے ادا نہ کی۔ متاخرین کے ایک درویش نے بھی اسی دن تک کچھ نہ کھایا اور کوئی نماز بغیر جماعت کے ادا نہ کی۔

مرو کی آبادی میں دو بزرگ تھے ایک کا نام مسعود تھا اور دوسرے کا نام شیخ ابو علی تھا۔ شیخ مسعود نے دوسرے بزرگ کے پاس کسی کو بھیجا کہ یہ دعویٰ کب تک رہے گا آؤ ہم چالیس دن ایک جگہ بیٹھیں اور کچھ نہ کھائیں۔ انہوں نے جواب میں کہلوایا کہ ہم دن میں تین مرتبہ کھائیں اور چالیس دن تک ایک وضو سے رہیں۔

حج

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خدا نے فرمایا۔ سر جھکاؤ تو انہوں نے عرض کیا۔ میں نے رب العالمین کے سامنے سر جھکا دیا چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مقام خلت پر فائز ہوئے تو تمام تعلقات سے دامن کھینچ لیا اور دل کو غیر سے خالی کر لیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حلم کو عام کرے تو اللہ تعالیٰ نے نمرود کو مقرر کیا۔ وہ ان کے اور ان کے گھر والوں کے درمیان جدائی کرا دے نمرود نے آگ جلائی اور ابلیس نے آکر منجنیق بنانا سکھایا اور اس میں بٹھانے کا طریقہ بتایا۔ جب منجنیق کے اس پلڑے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بٹھا دیا گیا اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور عرض کرنے لگے کیا آپ کو میری ضرورت ہے؟ انہوں نے فرمایا حاجت تو ہے مگر تم سے نہیں۔ حضرت جبرائیل نے پھر عرض کیا اللہ تعالیٰ سے عرض کیجیے فرمایا: اللہ تعالیٰ میری عرض سے بے نیاز ہے وہ میرے حال کو جانتا ہے میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ مجھے اس کے لیے آگ میں ڈالا گیا ہے۔ میرے حال میں اس کا علم عرض و سوال کا محتاج نہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہاں

سے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا، حج کر کے آیا ہوں۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا حج کر لیا؟ اس نے کہا، ہاں۔ آپ نے فرمایا جب تم اپنے مکان سے چلے اور وطن سے کوچ کیا تھا تو کیا اس وقت گناہوں سے بھی کوچ کیا تھا؟ اس نے کہا، نہیں۔ فرمایا، پس تم نے کوچ ہی نہ کیا۔ فرمایا، جب تم گھر سے چلے اور ہر منزل میں رات کو آرام کیا تو کیا تم نے راہِ حق میں طریقت کا مقام بھی طے کیا یا نہیں؟ اس نے کہا، نہیں۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا تم نے کوئی منزل طے نہ کی۔ پھر دریافت فرمایا جب تم نے میقات سے احرام باندھا تو کیا تم بشری صفات سے جدا ہو گئے تھے؟ جیسا کہ تم کپڑوں سے جدا ہوئے تھے۔ اس نے کہا، نہیں۔ فرمایا پس تم محرم ہی نہ ہوئے۔ پھر دریافت فرمایا جب تم نے عرفات میں وقوف کیا تھا تو مجاہدہ کے کشف میں وقوف ہوا تھا یا نہیں؟ اس نے کہا، نہیں۔ فرمایا تمہیں عرفات کا وقوف بھی میسر نہ ہوا۔ پھر دریافت فرمایا، جب تم مزدلفہ میں آگئے اور تمہاری مراد پوری ہو گئی تھی تو تم نے تمام نفسانی مرادوں کو چھوڑ دیا تھا یا نہیں؟ اس نے کہا، نہیں۔ فرمایا پس مزدلفہ کا بھی کوئی قصد نہ ہوا۔ پھر فرمایا جب تم نے خانۂ کعبہ کا طواف کیا تھا تو اپنے سر کی آنکھ سے مقامِ تنزیہہ میں حق تعالیٰ کے جمال کے لطائف کو دیکھا تھا؟ اس نے کہا، نہیں۔ فرمایا پس طواف بھی حاصل نہ ہوا۔ پھر فرمایا جب تم نے صفا و مروہ کے درمیان سعی کی تھی تو صفا کے مقام اور مروہ کے درجہ کا ادراک کیا تھا؟ اس نے کہا، نہیں۔ فرمایا، ابھی سعی بھی نہیں ہوئی۔ پھر فرمایا جب منیٰ میں آئے تھے تو تمہاری ہستیاں تم سے جدا ہو گئی تھیں؟ اس نے کہا، نہیں۔ فرمایا ابھی منیٰ میں بھی نہیں پہنچے۔ پھر فرمایا جب قربان گاہ پر تم نے قربانی کی تھی اس وقت اپنی نفسانی خواہشوں کی بھی قربانی کیا تھا؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا پس قربانی بھی نہ کی۔ پھر فرمایا جب تم نے جمرات کو کنکریاں ماری تھیں اس وقت تمہارے ساتھ جو نفسانی آلائشیں تھیں ان سب کو بھی پھینکا تھا؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا ابھی تم نے جمرے بھی نہیں پھینکا اور حج بھی نہیں کیا۔ لوٹ جاؤ ان صفات کے ساتھ حج کرو تاکہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام تک پہنچو۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرفات میں ایک نوجوان کو دیکھا جو خاموش کھڑا تھا، لوگ دعائیں مانگ رہے تھے لیکن وہ خاموش کھڑا تھا۔ میں نے اس سے دریافت کیا اے نوجوان تم کیوں دعا نہیں مانگتے اور عرض کا اظہار کیوں نہیں کرتے؟ اس نے کہا، مجھے وحشت لاحق ہو گئی ہے کہ جو وقت میں رکھتا تھا ضائع ہو گیا تھا اب منہ سے دعا مانگوں۔ میں نے اس سے کہا تمہیں دعا مانگنی چاہیے ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کے ہاتھوں کے طفیل تمہاری مراد عطا فرما دے۔ اس نوجوان نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے کا ارادہ کیا، لیکن اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور وہ گر کے اللہ کو پیارا ہو گیا۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک جوان کو منیٰ میں بیٹھے ہوئے دیکھا، سب لوگ اپنی قربانیوں میں مصروف تھے اور میں اس نوجوان کے حال کو دیکھتا رہا کہ وہ کون ہے اور کیا کرتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد نوجوان نے بلند آواز سے کہا: "اے خدا! تمام لوگ قربانی میں مشغول ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے نفس کی قربانی تیرے حضور کروں تو اسے قبول فرما۔" اتنا کہہ کر اس نوجوان نے انگشتِ شہادت کا اشارہ اپنے گلے پر کیا اور گر پڑا۔ میں نے اسے دیکھا تو اس کی روح پرواز کر چکی تھی۔

مشاہدہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج کے بارے میں اپنے ہاں مکاشفہ صدیقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اظہار فرمایا کہ میں نے خدا کو نہیں دیکھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، میں نے خدا کو دیکھا۔ لوگ اس اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں اور جس نے غور کیا، وہ اختلاف سے نکل گیا۔ چنانچہ جس نے یہ فرمایا کہ میں نے خدا کو دیکھا اس سے چشمِ باطن سے دیکھنا مراد ہے اور جس سے یہ کہا کہ میں نے نہیں دیکھا اس سے چشمِ سر سے دیکھنا مراد لیا ہے کیونکہ ان دونوں میں ایک اہلِ باطن ہے اور دوسرا اہلِ ظاہر۔ لہٰذا جب باطنی آنکھ سے دیکھی تو اس میں سر کی آنکھ کا واسطہ نہ ہو تو کیا مضائقہ!

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں مصر کے بازار میں سے گزر رہا تھا، میں نے دیکھا کہ ایک جوان کو بچے پتھر مار رہے ہیں۔ میں نے بچوں سے پوچھا تم اس سے کیا چاہتے ہو؟ بچوں نے کہا، یہ دیوانہ ہے۔ میں نے کہا تم نے اس کے جنون کی کیا علامت دیکھی؟ بچوں نے کہا، یہ کہتا ہے کہ میں خدا کو دیکھتا ہوں۔ اس کے بعد میں نے جوان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا، اے جوان! کیا تم کہتے ہو یا بچے تم پر الزام لگاتے ہیں؟ جوان نے کہا، نہیں، بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر ایک لمحہ کے لیے بھی حق کو نہ دیکھوں اور محجوب ہو جاؤں تو اس کو میں برداشت نہیں کر سکتا۔

حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال تک دن رات دیوار سے ٹیک نہ لگائی اور دو زانو کے سوا کسی اور حالت میں نہ بیٹھے۔ لوگوں نے عرض کیا آپ اتنی مشقت و تکلیف کیوں برداشت فرماتے ہیں؟ فرمایا، مجھے شرم آتی ہے کہ میں حق تعالیٰ کے مشاہدہ میں اس طرح نہ بیٹھوں جس طرح بندہ بیٹھتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خراسان کے علاقہ میں ایک شخص کو دیکھا جو بہت مشہور تھا اور لوگ اسے ملک ادیب کہتے تھے۔ بڑا صاحبِ فضیلت تھا۔ اس نے بیس سال پاؤں پر کھڑے گزارے سوائے نماز تشہد کے کبھی نہ بیٹھا۔ میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا، ابھی مجھے وہ درجہ حاصل نہیں ہوا کہ میں مشاہدۂ حق میں بیٹھ سکوں۔

صحبت و ادب

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا "ہمیں یہ بتائیں کہ جو کچھ آپ نے پایا ہے وہ کس چیز سے پایا ہے؟" فرمایا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ صحبت کی وجہ سے۔ چنانچہ میں نے حق تعالیٰ کے ساتھ جیسا خلوت میں حسنِ صحبت کے ادب کو ملحوظ رکھا ویسا ہی جلوت میں بھی رکھا ہے۔ جان والوں کو چاہیے کہ اپنے معبود کے مشاہدہ میں ادب کی حفاظت کا سلیقہ زلیخا سے سیکھیں کہ جب اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ خلوت کی اور حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنی خواہش کی تکمیل کی درخواست کی تو اس نے پہلے اپنے بت کے چہرے کو کسی چیز سے ڈھانپ دیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا کیا کر رہی ہو؟ اس نے کہا، اپنے معبود کے چہرے کو چھپا رہی ہوں تاکہ وہ بے حرمتی میں مجھے آپ کے ساتھ نہ دیکھے کیونکہ یہ شرائطِ ادب کے خلاف ہے۔ اور جب حضرت یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام سے ملے اور انہیں جمالِ یوسفی سے ہم آغوش کیا تو زلیخا کو جوان کر دیا گیا۔ انہوں نے اسلام کی راہ دکھائی اور حضرت یوسف علیہ السلام کی زوجیت میں دیا گیا

دے دیا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام گئے اس کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا آپ سے جا لگی۔ فرمایا یہ کیا ہے؟ دیکھا کیا میں اتنا ادب والا نہیں ہوں! شاید میری محبت غیر سے جاتی رہی ہے۔ دیکھا نے کہا خدا کی قسم! نہیں محبت اپنی جگہ پر ہے بلکہ زیادہ ہے لیکن یہ ہے جیسا اپنے معبود کی بارگاہ کے آداب کو ملحوظ رکھا، اس دن جب تمہارے اور میرے درمیان تنہائی تھی اس وقت میرا معبود ایک بت تھا جو دیکھ ہی نہیں سکتا تھا مگر اس کے باوجود اس کی بے نور دو آنکھیں تھیں اس پر میں نے پردہ ڈال دیا تھا کہ بے ادبی کی شرمندگی سے اٹھ جائے۔ اب میرا معبود ایسا ہے جو والا دیکھ ہے جس کے لیے دیکھنے کا ذریعہ کوئی آنکھ ہے نہ کوئی حجاب ہے لیکن میں جس حال میں ہوں وہ مجھے دیکھتا ہے میں نہیں چاہتی کہ میں اس کی بے ادب بنوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسلمان بھائیوں کے درمیان محبت کو تین چیزیں پکی کر جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ جب تم اس سے راہ میں ملاقات کرو تو اسے سلام کرو، دوسرے یہ کہ اپنی مجلس میں اس کے لیے جگہ چھوڑ دو، تیسرے یہ کہ اسے ان القاب سے یاد کرو جو تمہیں بہت محبوب ہیں۔

حضرت مالک بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے داماد حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔ اے مغیرہ! جس بھائی یا ساتھی کی رفاقت تمہیں دینی فائدہ نہ پہنچائے تم اس کی صحبت سے بچو۔ کیونکہ اس کی صحبت تم پر حرام ہے۔

ایک مرد خدا خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے دوران دعا مانگ رہا تھا: "اے خدا! میرے بھائیوں کی اصلاح و درستی فرما۔" لوگوں نے پوچھا اس مقام پر تم اپنے لیے دعا کیوں نہیں مانگتے! اپنے دوسرے بھائیوں کے لیے کیوں دعا مانگتے ہو۔ اس نے جواب دیا: "میں اپنے بھائیوں کی طرف ہی لوٹ کر جاؤں گا۔ اگر وہ درست ہوئے تو میں ان کی درستی کی بنا پر ٹھیک رہوں گا اور اگر وہ خراب ہی رہے تو ان کی برائیوں کی وجہ سے میں بھی برا بن جاؤں گا۔"

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے ایک کو یہ گمان ہو گیا کہ میں درجہ کمال کو پہنچ گیا ہوں اور اب مجھے اکیلا ہی رہنا چاہیے، چنانچہ اس نے تنہائی اختیار کر لی اور مرشد کی صحبت سے کنارہ کش ہو گیا۔ جب رات ہوئی تو اس نے دیکھا کہ لوگ ایک اونٹ لے کر آئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ تمہیں جنت میں رہنا چاہیے۔ وہ اسے اونٹ پر سوار کر کے لے گئے اور ایسی جگہ پر لے آئے جو بہت اچھی جگہ تھی۔ خوبصورت لوگ، اچھے کھانے اور پانی کے چشمے رواں تھے۔ مرید صبح تک وہاں رہا۔ حالانکہ وہ نیند میں تھا۔ جب بیدار ہوا تو اپنے آپ کو حجرے میں پایا۔ یہ سلسلہ مستقل چلتا رہا جس سے اس پر غرور، رعونت و عجب کا غلبہ ہو گیا۔ اس کے دل میں جوانی کے گھمنڈ نے اپنا اثر دکھایا اور اس نے لوگوں کو بتانا شروع کر دیا کہ میری یہ حالت ہوتی ہے۔ اس کی خبر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچی۔ آپ اس کے حجرے میں تشریف لائے۔ اسے اس حال میں پایا کہ اس کے سر میں خود پسندی بھری ہوئی تھی اور تکبر سے اکڑا ہوا تھا۔ آپ نے اس سے حال دریافت کیا، اس نے سارا بیان کر دیا۔ حضرت نے فرمایا کہ جب آج رات وہاں پہنچو تو تین مرتبہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھنا۔ جب رات ہوئی اور اسے حسب سابق وہاں لے جایا گیا، چونکہ وہ اپنے دل میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا منکر تھا۔ کچھ دیر بعد محض تجربے کے طور پر اس نے تین مرتبہ لا حول پڑھا تو اسے لے جانے والے تمام لوگ چیخ مار کر بھاگ گئے۔ مرید نے اپنے آپ کو نجاست خانہ میں پڑے ہوئے پایا اور اس کے چاروں طرف مردار جانوروں کی ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ فوراً اٹھ کر توبہ کی اور پیر کی صحبت میں رہنے لگا۔

ایک درویش بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں کوفہ سے مکہ مکرمہ جانے کے لیے سفر پر روانہ ہوا۔ راستہ میں حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ان سے صحبت میں رہنے کی اجازت چاہی۔ انھوں نے فرمایا: "صحبت میں ایک امیر اور ایک تابعدار ہونا ضروری ہے۔ تمھیں کیا منظور ہے؟ کیا تم امیر بنتے ہو یا میں؟" میں نے کہا آپ امیر بنیے۔ انھوں نے فرمایا اب تم میرے حکم سے باہر نہ ہونا۔ میں نے کہا یہی ہو گا۔ جب ہم منزل پر پہنچے تو انھوں نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ انھوں نے کنوئیں سے پانی کھینچا۔ چونکہ بہت سردی تھی پھر لکڑیاں چن کر ایک ڈھلان جگہ پر آگ جلائی اور مجھے گرم کیا۔ میں جس کام کا بھی ارادہ کرتا، وہ فرماتے بیٹھے جاؤ۔ فرمانبرداری کی شرط کو ملحوظ رکھو۔ جب رات ہوئی تو خوب بارش نے گھیر لیا۔ انھوں نے اپنی گدڑی اتار کر صبح تک سر پر ڈال لی اور میرے سر پر سایہ کیے کھڑے رہے اور میں شرمندہ ہو رہا تھا لیکن شرط کے مطابق کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ جب صبح ہوئی تو میں نے کہا اب آج میں امیر بنوں گا۔ انھوں نے فرمایا ٹھیک ہے۔ جب ہم اگلی منزل پر پہنچے تو انھوں نے پھر وہی خدمت اختیار کی۔ میں نے کہا اب آپ میرے حکم سے باہر ہو رہے ہیں۔ فرمایا فرمان سے وہ شخص باہر نکلتا ہے جو اپنے امیر سے اپنی خدمت کروائے۔ انھوں نے مکہ مکرمہ تک اسی طریق پر میرے ساتھ سفر کیا۔ جب ہم مکہ مکرمہ پہنچے تو میں مارے شرم کے بھاگ کھڑا ہوا۔ یہاں تک کہ انھوں نے مجھے منیٰ میں دیکھا اور فرمایا: اے بیٹے! تم پر لازم ہے کہ درویشوں کے ساتھ ایسی ہی صحبت کرنا جیسی کہ میں نے تمہارے ساتھ کی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کو ریاضت و مجاہدے کی تعلیم دے رہے تھے۔ ایک مسافر آیا اور وہ اس کی مدارات میں مشغول ہو گئے اور کھانا لا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ مسافر نے کہا، اس کے سوا مجھے فلاں چیز کی ضرورت ہے۔ انھوں نے فرمایا: تجھے بازار جانا چاہیے تھا کیونکہ تو بازاری آدمی معلوم ہوتا ہے۔ تیرا تعلق خانقاہوں اور مسجدوں سے نہیں ہے۔

حضرت داتا صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ دمشق سے دو درویشوں کے ساتھ حضرت ابن العلاء رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا ارادہ کیا۔ وہ رملہ کے ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ ہم نے آپس میں طے کیا کہ ہر ایک اپنی اپنی سرگزشت کے کسی واقعہ کو یاد کرے تاکہ وہ بزرگ ہمارے باطن کا بھید بتا دیں اور ہمارے اس واقعہ کی مشکلات کو حل کر دیں۔ میں نے اپنے دل میں یہ خیال جمایا کہ میں حضرت حسین بن منصور حلاجؒ کے اشعار کو حل کراؤں گا اور ایک درویش نے یہ سوچا کہ میں اپنے مرض طحال کے لیے دعا کراؤں گا۔ تیسرے نے کہا کہ مجھے صابونی حلوا چاہیے۔ جب ہم ان کے پاس پہنچے تو انھوں نے حضرت حسین بن منصور کے اشعار کی تشریح پہلے ہی لکھوا رکھی تھی۔ انھوں نے کاغذ میرے سامنے رکھ دیا۔ دوسرے درویش کے پیٹ پر انھوں نے ہاتھ پھیرا، اس کی تلی کا مرض جاتا رہا اور تیسرے درویش سے فرمایا: تم صابونی حلوے کی خواہش رکھتے ہو جو عوام کی غذا ہے حالانکہ تم اولیاء کے لباس میں ہو اور اولیاء کا لباس عوام کے مطالب و خواہش کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔ تم دونوں میں سے ایک رخ اختیار کرو۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت ابو ذر غفاریؓ کے درمیان برادری قائم فرمائی تھی اور دونوں اصحاب صفہ کے سرگروہ افراد میں سے تھے اور باطنی اسرار کے سرداروں میں سے تھے۔ ایک دن حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر والوں کی مزاج پرسی کے لیے آئے تو گھر والوں

نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ یہ تمہارے بھائی ابوذر غفاری دن میں کچھ کھاتے ہیں اور نہ رات کو سوتے ہیں۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھانے کے لیے بلایا۔ جب کھانا آ گیا تو حضرت ابوذر سے کہا اے بھائی! تمہیں روزہ ہے؟ کہ تم میرے ساتھ موافقت کرتے ہوئے میرے ساتھ کھانا کھاؤ کیونکہ تمہارا یہ روزہ فرض تو نہیں ہے۔ حضرت ابوذر نے ان کی موافقت میں ساتھ کھانا کھایا۔ جب رات ہوئی تو کہا اے بھائی! سونے کا بھی تم کو میری موافقت کرنی چاہیے۔

دوسرے دن جب حضرت ابوذر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں کیا تم سے وہی کہتا ہوں جو کل تم سے سلمان نے کہا تھا، یعنی تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے اور اپنی بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور اپنے رب کا بھی تم پر حق ہے؟

حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک زمانہ میں ملک عراق میں دنیاوی مال کو جمع کرتے اور ان کو خرچ کرنے میں بے طرح مشغول تھا۔ اسی طرح مجھ پر بہت قرض ہو گیا۔ جب ضرورت ہوتی وہ میرے پاس آتا اور میں ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی فکر میں مشغول تھا۔ پس زمانہ کے ایک بزرگ نے مجھے لکھا: اے فرزند! خیال رکھنا تمہارا دل خدا سے غافل نہ ہو جائے۔ اپنے دل کو فارغ رکھو کیونکہ تم مشغولیت میں مبتلا ہو گئے ہو۔ لہٰذا کوئی دل اپنے دل سے زیادہ عزیز پاؤ تو جانو بے کہ اس دل کی فراغت میں اپنے آپ کو مشغول کرو ورنہ اس کام اور اس شغل سے اپنا ہاتھ کھینچ لو کیونکہ بندگان خدا کی کفالت خدا کے ذمہ ہے۔ اسی وقت میرے دل میں اس سے فراغت کا جذبہ ظاہر ہو گیا۔

شیخ ابو اسلم فارس بن غالب فارسی فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت ابو سعید ابوالخیر فضل اللہ بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کے لیے آیا۔ انھیں چار بالشت کے ایک تخت پر سوتے ہوئے پایا اور ان کا ایک پاؤں دوسرے پر رکھا ہوا تھا۔ وہ اس وقت مصری چادر اوڑھے ہوئے تھے اور میں ایسا لباس پہنے ہوئے تھا جو میلے کچیلے کپڑے کی مانند سخت تھا، جسم تھکن سے چور اور چہرہ محنت و مشقت اور ریاضت سے پیلا پڑ گیا تھا۔ میرے دل میں ان سے ملاقات کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ بھی درویش ہے اور میں بھی درویش ہوں۔ یہ تمام راحتیں لیے ہیں اور میں اتنے مجاہدے اور مشقت میں ہوں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ بزرگ میری حالت سے باخبر ہو گئے اور میری نخوت کو انھوں نے ملاحظہ فرمایا۔ مجھ سے فرمایا: "اے ابو مسلم! تم نے کس کتاب میں پڑھا ہے کہ اپنے کو دیکھنے والا درویش ہوتا ہے۔ جب میں نے مرتبے میں جلوہ حق کو دیکھا تو اس نے مجھے تخت پر بٹھایا اور جب تم خود ہی اپنے آپ کو دیکھتے ہو تو تمہیں اس لیے محنت و مشقت میں رکھا ہے۔ میرے لیے مشاہدہ ہے اور تمہارے لیے مجاہدہ۔ یہ دونوں مقام راستے کے مقامات میں سے ہیں۔ رب العزت ان سے پاک و منزہ ہے اور درویش وہی ہے جس کا مقام فنا ہو جائے اور احوال سے گزر جائے۔" یہ سن کر میرے ہوش جاتے رہے اور سارا جہان میرے لیے تاریک ہو گیا۔ جب میں اپنے آپ میں آیا تو میں نے ان سے معذرت کی اور انھوں نے مجھے معاف کر دیا۔ پھر میں نے عرض کیا: اے شیخ! مجھے اجازت دیجیے کہ میں جاؤں کیونکہ مجھ میں آپ کے دیدار کی طاقت نہیں۔ فرمایا: اے ابو مسلم! آپ نے ٹھیک کیا۔ اس کے بعد انھوں نے میری حالت پر ایک شعر پڑھا:

ہر کچھ خبر میرے کان نہ سن سکے
اسے میری آنکھ نے سر تاپا ظاہر دیکھ لیا

بھوک

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا آپ بھوک کی بہت زیادہ تعریف کرتے ہیں؟

انھوں نے فرمایا۔ فرعون اگر بھوکا رہتا تو ہرگز یہ نہ کہتا کہ میں تمہارا سب سے بڑا معبود ہوں۔ اگر قارون بھوکا رہتا تو باغی نہ ہوتا۔ کم کھانا بھوک، تقوی ہے اس لیے ہر ایک اس کی تعریف کرتا ہے۔ نفاق پیٹ بھرنے سے پیدا ہوتا ہے۔

چلنے کے آداب

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک دن انھوں نے دوا کھائی۔ مریدوں نے عرض کیا تھوڑی دیر مکان کے صحن میں چلیے تاکہ دوا کا اثر ہو۔ آپ نے فرمایا۔ میں خدا سے شرم کرتا ہوں کہ قیامت کے دن مجھ سے پوچھے کہ تو نے اپنے نفس کی خاطر چند قدم کیوں اٹھائے۔

سونے کے آداب

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت علی بن سہل نے ایک خط لکھا۔ آپ نے مذاکرہ سکوت کیا۔ حضرت علی بن سہل نے لکھا ہے کہ نیند غفلت و آرام کا سبب ہے، اس سے بچنا چاہیے۔ حضرت جنید بغدادی نے جواب دیا کہ جاگنا ہمارے معاملات میں جاگنا ساتھ ہے اور نیند حق تعالیٰ کا ہم پر فضل ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ رات تک کے پاس سلائی رکھ لیتے۔ جب نیند غلبہ کرتی تو وہ اس سلائی کو اپنی آنکھوں میں پھیر لیتے۔

حضرت مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے بزرگوں کو دیکھا کہ جب وہ فرائض کی ادائیگی سے فارغ ہو جاتے تو سو جاتے۔ میں نے شیخ احمد سمرقندی کو دیکھا کہ وہ چالیس سال تک رات بھر نہ سوئے۔ دن میں تھوڑی دیر کے لیے سو جاتے۔

ایک بزرگ ایک اچھے امام کے پاس آئے جو مرتبہ و عزت اور نفس کی رعونت میں مبتلا تھا۔ وہ بزرگ اس سے کہتے کہ اے فلاں شخص تجھے مر جانا چاہیے۔ اس بات سے امام کے دل کو رنج ہوتا۔ وہ کہتا یہ کیا کہ ہمیشہ مجھے یہی بات کہتا ہے۔ کیونکر میں اس سے بچے کہوں گا۔ جب دوسرے دن وہ بزرگ آئے تو امام نے کہا: اے فلاں شخص تمہیں مر جانا چاہیے۔ اس بزرگ نے مصلیٰ بچھایا، سر کو زمین پر رکھا اور کہا: میں مرتا ہوں۔ اسی وقت بزرگ کی روح پرواز کر گئی۔ اس سے امام کو یہ تنبیہ حاصل کر دو جانے کہ یہ بزرگ جو مر جانے کو کہتا تھا، دیکھ لے کہ میں اس طرح مرتا ہوں۔

آداب گفتگو

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی کی مجلس میں گئے اور نعرہ مارا۔ یا مولای، اور حق تعالیٰ کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت جنید نے فرمایا: اے ابوبکر! اگر تمہاری مراد حق ہے تو یہ اشارہ کیوں ہے؟ کیونکہ وہ اس سے بے نیاز ہے اور اگر تمہاری مراد حق نہیں ہے تو تم نے غلط کیوں کہا کیونکہ حق تعالیٰ تمہاری قول کے مطابق علیم ہے۔ وہاں یہ سن کر حضرت شبلی نے اپنے کلام پر استغفار کیا۔

ایک روز حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ بغداد کے کرخ تشریف لے گئے وہاں انھوں نے ایک مدعی کو کہتے ہوئے سنا "خاموشی بولنے سے بہتر ہے" حضرت شبلیؒ نے فرمایا تیری خاموشی تیرے بولنے سے بہتر ہے اور میرا بولنا میری خاموشی سے بہتر ہے۔ اس لیے کہ تیرا بولنا لغو ہے اور تیری خاموشی بیکار ہے۔ میرا بولنا میری خاموشی سے اس لیے بہتر ہے کہ میری خاموشی میں حلم بردباری ہے اور میرے بولنے میں علم و معرفت ہے اگر حلم سے نہیں بولتا تو میرا علم اس پر غالب ہوتا ہے۔ اگر حلم سے بولوں تو میرا علم اس پر غالب ہوتا ہے جب حلیم ہوتا تو حلیم و بردبار ہوتا ہوں اور جب بولتا ہوں تو علیم جاننے والا ہوتا ہے۔

آداب سوال

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے چلہ کھینچا اور اُسے زیادہ محنت سے آٹھ دن چالیس سے سرفراز فرمایا۔ حضرت ذوالنون مصریؒ نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟ اس نے کہا، مجھے بخش دیا۔ پوچھا کس خصلت کی بنا پر؟ اس نے کہا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اشیا اور فرمایا اے میرے بندے! تو نے بخیلوں اور کمینوں کی ذلیل اور اذیتیں برداشت کیں۔ تو نے ان کے آگے ہاتھ پھیلایا اور تو نے صبر سے کام لیا اس پر میں نے تجھے بخش دیا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک لڑکی تھی۔ ایک دن لڑکی نے اپنی ماں سے کہا مجھے فلاں چیز چاہیئے۔ ماں نے کہا خدا سے مانگو۔ لڑکی نے کہا خدا سے مانگتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے کہ میں اپنی نفسانی خواہش خدا سے مانگوں۔ تم جو کچھ دو گی وہ بھی اسی جانب سے ہوگا اور وہ میری اللہ پر کاحت ہوگا۔

حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا جو جنگل سے فاقہ زدہ اور سفر کی صعوبت اٹھائے ہوئے کوفہ کے بازار میں آیا۔ اس نے اپنے ہاتھ پر ایک چڑیا بٹھائی ہوئی تھی اور کہتا تھا اس چڑیا کے لیے مجھے کچھ دو۔ لوگوں نے کہا۔ اے شخص یہ کیا کہتے ہو۔ اس نے جواب دیا۔ یہ محال ہے کہ میں یہ کہوں کہ خدا کے لیے مجھے کچھ دو۔ دنیا کے لیے ادنیٰ چیز کے لیے اونی چیز ہی کو وسیلہ بنایا جا سکتا ہے۔

نکاح کرنے اور مجرد رہنے کے آداب

حدیث میں ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدتنا ام کلثوم دختر سیدتنا فاطمۃ الزہرا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام نکاح ان کے والد سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو دیا اور ان سے درخواست کی۔ حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا۔ وہ تو بہت چھوٹی ہے اور آپ بہت بزرگ ہیں۔ میری نیت یہ ہے کہ میں اسے اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دوں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر پیام بھیجا کہ اے ابوالحسن! دنیا میں عورتیں تو بہت ہیں لیکن میری مراد حضرت ام کلثوم سے کسی جنسی لذت کے لیے نہیں بلکہ اثبات نسل ہے کیونکہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ موت کے ساتھ ہر حسب و نسب منقطع ہو جاتا ہے مگر میرا حسب و نسب باقی رہتا ہے۔ لہٰذا اس وقت مجھے حسب تو حاصل ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ نسب بھی حاصل ہو جائے تاکہ دونوں میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت میں مضبوط ہو جاؤں۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سیدتنا ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت عمر فاروقؓ کے نکاح

گما دے دیا۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک بزرگ کی زیارت کے لیے ایک آبادی میں گیا۔ جب میں اس بزرگ کے گھر پہنچا تو ان کے گھر کو نہایت پاکیزہ پایا اور بالکل اولیائے کرام کے عبادت خانہ کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ اس مکان میں دو محرابیں تھیں۔ ایک محراب کے گوشہ میں وہ بزرگ تشریف فرما تھے اور دوسری محراب میں ایک ضعیف پاکیزہ اور روشن چہرے والی خاتون بیٹھی تھیں۔ دونوں کثرت عبادت سے لاغر ہو چکے تھے۔ میری آمد پر انھوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ میں تین دن ان کے ہاں رہا۔ جب میں نے واپسی کا ارادہ کیا تو میں نے اس بزرگ سے پوچھا یہ پاک دامن خاتون آپ کی کون ہے۔ فرمایا۔ ایک رشتہ سے یہ میری چچا زاد ہے اور دوسرے رشتہ سے میری اہلیہ ہے۔ میں نے عرض کیا۔ میں نے تین دنوں میں آپ میں نہایت غیریت اور بیگانگی دیکھی ہے۔ فرمایا۔ ٹھیک ہے۔ پینسٹھ سال گزر گئے اسی طرح رہتے ہوئے۔ میں نے عرض کیا اس کی وجہ بیان فرمائیں۔ فرمایا ہم بچپن ہی سے ایک دوسرے پر عاشق ہو گئے تھے۔ اس کے والد نے اسے مجھے دینا منظور نہ کیا کیونکہ ہماری محبت کا حال اسے معلوم تھا۔ ایک عرصہ تک ہم محبت کے دکھ اٹھاتے رہے۔ پھر ایسا ہوا کہ اس کا والد فوت ہو گیا۔ میرے والد چونکہ اس کے چچا تھے انھوں نے اسے مجھے دے دیا۔ پہلی رات ہم خلوت میں گئے تو اس نے مجھے کہا جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کس نعمت سے سرفراز کیا ہے۔ ہمیں ایک دوسرے سے ملا دیا ہے اور ہمارے دلوں کو رنج و الم سے فارغ کر دیا ہے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ اس نے کہا لہٰذا ہمیں آج کی رات اپنے آپ کو نفس کی خواہش سے باز رکھنا چاہیئے اور اپنی مراد کو پاؤں کے نیچے لانا چاہیے۔ اس نعمت کے شکر میں ہمیں خدا کی عبادت کرنی چاہیئے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے دوسری رات بھی یہی کہا۔ تیسری رات میں نے کہا دو راتیں میں نے تمہارے کہنے پر عبادت کی ہیں آج رات تم میرے شکر میں بھی عبادت کرو۔ اسی طرح پینسٹھ سال گزر گئے ہیں اور ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا تک نہیں اور نہ ایک دوسرے کو چھوا ہے اور ساری عمر نعمت کے شکر میں گزار دی۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ یہ جب بڑا ہوا تو اپنی ماں سے کھانے کے لیے جو چیز بھی مانگتا اس کی ماں کہتی۔ خدا سے مانگ۔ بچہ مسجد میں چلا جاتا اور سجدہ کرتا۔ اس کی ماں چپکے اس کی خواہش پوری کر دیتی تاکہ بچے کو معلوم نہ ہو کہ ماں نے یہ دیا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ اس کی عادت بن گئی۔ ایک دن بچہ مدرسہ سے آیا تو اس کی ماں موجود نہ تھی۔ عادت کے مطابق سر سجدہ میں رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی خواہش پوری کر دی۔ ماں جب آئی اور اس نے دیکھا تو اس سے پوچھا۔ بیٹے یہ چیز کہاں سے لی ہے؟ اس نے کہا وہیں سے جہاں سے روزانہ آتی ہے۔

حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مجھے گیارہ سال نکاح کی آفت سے خدا نے محفوظ رکھا پھر اس کی تقدیر سے میں اس فساد میں مبتلا ہو گیا اور بے دیکھے میرا ظاہر و باطن ایک پری صفت کا اسیر بن گیا۔ ایک سال تک میں ایسا غرق رہا کہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جائے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف و کرم سے عصمت کو میرے دل و دماغ کے استقبال کے لیے بھیجا اور اپنی رحمت سے مجھے اس سے نجات دلائی۔

حضرت احمد حماد سرخسی رحمۃ اللہ علیہ جو ماوراء النہر میں حضرت داتا صاحبؒ کے ساتھی تھے۔ انتہائی برگزیدہ انسان تھے۔ ان سے لوگوں نے دریافت کیا۔ کیا آپ کو

بھی اکتاہٹ کی صورت پیش آئی؟ فرمایا: نہیں۔ پوچھا: کیسے؟ فرمایا: اس لیے کہ میں اپنے حالات میں یا تو اپنے آپ سے غائب ہوتا ہوں یا اپنے سے حاضر ہوتا ہوں۔ جب میں غائب ہوتا ہوں تو مجھے دونوں جہان کی کوئی چیز یاد نہیں رہتی اور جب حاضر ہوتا ہوں تو اپنے نفس پر ایسا غالب ہوتا ہوں کہ جب ایک دانہ ملے تو کہتا ہوں جڑ والوں کا دیں لو گئی ہیں۔

حضرت احمد خیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ ایک دن نیشاپور کے امیروں اور رئیسوں کے ساتھ جو ان کو سلام کرنے کے لیے آئے تھے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کا بیٹا شراب پیئے ہوئے مستانہ وار ساز بجاتا ہوا گانے والیوں کے ساتھ ان کے سامنے سے گزرا۔ جس نے بھی اسے دیکھا پریشان ہو گیا۔ حضرت احمد نے جب ان لوگوں کو دیکھا تو ان سے دریافت فرمایا: تمہارا حال کیوں پریشان ہو گیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ یہ لڑکا جس طرح آپ کے سامنے سے گزرا ہے اس سے ہم پریشان ہو گئے ہیں کہ اس نے آپ کا کچھ خوف نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا: وہ معذور ہے اس لیے کہ ایک رات ہم نے اپنے اور اپنی بیوی کے کھانے کے لیے ہمسایہ سے کوئی چیز لی تھی جسے ہم دونوں نے اسے کھایا اور اسی رات ہم بستر ہوئے، اس بچہ کا حمل ٹھہر گیا۔ پھر ہم پر نیند کا غلبہ ہوا ہم سو گئے۔ صبح کو ہمیں معلوم ہوا کہ اس ہمسائے نے جو چیز ہم کو دی تھی وہ ایک ستارہ باز کا کمانا تھا۔ جب ہم نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ بادشاہ کے ہاں گانے والا تھا۔

حال اور وقت

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنگل میں ایک درویش کو دیکھا جو کیکر کے درخت کے نیچے ایک سخت جگہ پر بڑی مشکل سے بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اس سے کہا: اے بھائی! کس چیز نے تمہیں یہاں بٹھایا ہے؟ یہ جگہ تو بہت مشکل ہے اور تم یہاں بیٹھے ہوئے ہو۔ اس نے کہا: ”میرا ایک وقت تھا جو اس جگہ ضائع ہوا ہے۔ اب میں اس جگہ اس کے غم میں بیٹھا ہوا ہوں۔“ میں نے پوچھا: کتنے عرصے سے یہاں بیٹھے ہو؟ اس نے کہا: بارہ سال گزر گئے ہیں۔ اب شیخ کو چاہیے کہ میرے کام میں ہمت کریں تاکہ میں اپنی مراد حاصل کروں اور اپنے وقت کو پاؤں۔ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ میں وہاں سے چلا گیا اور حج کیا۔ اس کے لیے دعا کی جو قبول ہوئی اور وہ اپنی مراد کو پہنچ گیا۔ جب واپس آیا تو اسے اسی جگہ بیٹھا ہوا پایا۔ میں نے کہا: اے جواں مرد! اب تم نے اپنا وقت پا لیا ہے تو پھر اس جگہ سے ہٹ کیوں نہیں جاتے؟ اس نے کہا: اے شیخ! یہ وہ جگہ ہے جہاں مجھے وحشت و پریشانی لاحق ہوئی تھی اور میرا سرمایہ گم ہوا تھا اور اب بھی یہی وہ جگہ ہے جہاں سے مجھے گم شدہ سرمایہ ملا ہے۔ میں نے اس جگہ کو گھر بنا لیا ہے۔ مجھے اس جگہ سے محبت ہو گئی ہے۔ کیا یہ جائز ہے کہ میں اس جگہ کو چھوڑ کر کسی اور جگہ چلا جاؤں۔ میری تمنا ہے کہ مر کر میری لاش بھی اسی جگہ مل جائے اور قیامت کے دن جب اٹھایا جاؤں تو میں اسی جگہ سے سر نکالوں۔ یہ میری انتہائی محبت ہے۔

حضرت ابو سعید خرازؒ نے حضرت ابراہیم سعدیؒ کے ساتھ دنیا کے کتے سے لے کر خدا کے دوست کو دیکھا تو ان سے پوچھا: حق کی راہ کس چیز میں ہے؟ انھوں نے کہا حق کی دو راہیں ہیں، ایک عوام کی دوسرے خواص کی۔ انھوں نے اس کی تشریح چاہی تو خدا کے دوست نے کہا: عوام کی راہ وہ ہے جس پر تم ہو کیونکہ تم کسی علت کے ساتھ قبول کرتے ہو اور کسی علت کے سبب چھوڑتے ہو۔ خواص کی راہ یہ ہے کہ وہ نہ علت کو دیکھتے ہیں نہ معرفت کو۔

قہر و لطف

بغدادی صاحب مرتبہ فقراء میں سے دو درویش تھے۔ ایک صاحب قہر و غلبہ تھے، دوسرے صاحب لطف و کرم ہمیشہ دونوں میں نوک جھونک رہتی تھی اور ہر ایک اپنے حال کو بہتر قرار دیتا تھا۔ ایک کہتا کہ حق تعالیٰ کا لطف و کرم بندہ پر بہت بزرگ نعمت ہے کیونکہ اس کا ارشاد ہے: ”اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ مہربان ہے“ دوسرا کہتا: حق تعالیٰ کا قہر و غلبہ بندہ پر بہت زیادہ مکمل شے ہے، کیونکہ اس کا ارشاد ہے: ”وہ اپنے بندوں پر غالب ہے“ ان کی بحث طول پکڑ گئی۔ ایک دفعہ صاحب لطف و کرم نے مکہ کا قصد کیا، وہ جنگل میں ٹھہر گیا لیکن مکہ تک نہ پہنچ سکا۔ بہر حال کسی کو اس کی خبر نہ ہوئی۔ اسی دوران ایک شخص مکہ سے بغداد آ رہا تھا اس نے اسے سر راہ دیکھا اور اس سے کہا: اے بھائی! جب تم عراق پہنچو تو کرخ میں میرے فلاں دوست کو کہنا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اس مشقت کے باوجود جنگل کو بغداد کے محلہ کرخ کی مانند اس کے عجائبات کے ساتھ دیکھو تو آ جاؤ کیونکہ یہ جنگل میرے لیے حق تعالیٰ نے بغداد کے محلہ کرخ کی مانند بنا دیا ہے۔ جب یہ شخص کرخ پہنچا تو اس کے رفیق کو تلاش کر کے اس کا پیغام دیا۔ اس کے جواب میں اس نے کہا: جب تم واپس لوٹو تو اس درویش سے کہنا کہ اس میں کوئی بزرگی نہیں ہے کہ مشقت کے ساتھ جنگل کو تمہارے لیے کرخ کی مانند بنا دیا ہے اس لیے کہ تم بارگاہ الٰہی سے بھاگ نہ جاؤ۔ بزرگی تو یہ ہے کہ بغداد کے محلہ کرخ کو اس کی نعمتوں اور عجائب کے باوجود مشقت کے ساتھ کسی کے لیے جنگل بنا دیا جائے اور وہ اس میں خوش و خرم ہے۔

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد فرماتے ہیں کہ ایک سال جنگل میں اولیاء اللہ کا اجتماع ہوا جس میں میں اپنے مرشد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ گیا۔ وہاں ایک گروہ کو دیکھا جو تخت کے نیچے آ رہا تھا اور ایک گروہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ کوئی آ رہا تھا اور کوئی کسی طریقے سے۔ میرے مرشد نے کسی کی طرف التفات نہ کیا۔ اسی دوران ایک جوان کو میں نے دیکھا جس کی جوتیاں پھٹی ہوئی تھیں، عصا ٹوٹا ہوا، پاؤں تھکے ہوئے، سر ننگا، بدن کمزور اور جسم کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ جب وہ ظاہر ہوا تو میرے مرشد دوڑ کر اس کے پاس پہنچے اور اسے بلند جگہ پر بٹھایا۔ فرماتے ہیں کہ میں حیرت زدہ ہو گیا اور میں نے شیخ سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: یہ بندہ ایسا ولی ہے جو ولایت کا تابع نہیں بلکہ ولایت اس کے تابع ہے اور کرامتوں کی طرف توجہ نہیں کرتا۔

حضرت خیر النساج رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں یہ خطرہ ظاہر ہوا کہ حضرت جنیدؒ دروازہ پر کھڑے ہیں۔ انھوں نے چاہا کہ اس خطرے کو دل سے دور کریں تو ایک اور خطرہ دل میں استوار ہوا وہ اس کے دور کرنے میں مصروف ہو گئے تو تیسرا خطرہ دل میں پیدا ہو گیا۔ انھوں نے حضرت جنیدؒ کو دیکھا کہ دروازہ پر کھڑے ہوئے ہیں۔ کہنے لگے: اگر تم اپنے پہلے خطرے کے پیرو کار ہو جاتے تو مشائخ رحمہم اللہ کی سیرت پر عمل کرتے تو مجھے اتنی دیر دروازہ پر کھڑے رہنا نہ پڑتا۔ مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ وہ خطرہ جو حضرت خیر النساج کے دل میں پہلے موجود ہوا اس میں حضرت جنیدؒ رحمۃ اللہ علیہ نظر آئے۔ جواب میں فرماتے ہیں کہ حضرت جنیدؒ حضرت خیر کے مرشد تھے اور مرشد اپنے مرید کے تمام احوال سے باخبر ہوتا ہے۔

حضرت جنیدؒ کو ایک مرتبہ بخار ہو گیا، دعا کی کہ اے خدا! مجھے صحت عطا فرما!

ان کے دل میں ندا آئی، تم کون ہو کہ میرے ملک میں دخل دیتے ہو اور اپنا اختیار استعمال کرتے ہو، میں اپنی ملک کی تدبیر تم سے بہتر جانتا ہوں۔ تم میرے اختیار کو اختیار کرو اور اپنے اختیار کا اظہار نہ کرو۔

سماع

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے یہ آیت پڑھی: کافروں کے لیے آگ کا بچھونا اور ان کے اوپر اسی کا اوڑھنا۔" یہ سن کر وہ رونے لگے اور گر پڑے۔ راوی کہتا ہے کہ میں سمجھا کہ شاید ان کی روح پرواز کر گئی ہے۔ پھر انہیں میں نے اٹھایا تو فرمانے لگے اس آیت کی ہیبت مجھے بیٹھنے سے روکتی ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے یہ آیت پڑھی: "اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جسے تم کرتے نہیں۔" حضرت جنید نے فرمایا: اے خدا! ہم جو کہتے ہیں تجھ سے کہتے ہیں، تیری ہی توفیق سے کرتے ہیں۔ ہمارا باتیں اور عمل کرنا تیرا ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے پڑھا: "جب تم بھول جاؤ تو اپنے رب کو یاد کرو۔" آپ نے فرمایا: یاد کرنے کی شرط نسیان ہے اور حال یہ ہے کہ سارا عالم اس کی یاد میں مشغول ہے۔ یہ کہہ کر چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو کہنے لگے: میرا حبیب جان ہے۔ کلام الٰہی مستی ہے اور باہر علیمی مخلوق۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں یہ پڑھ رہا تھا کہ "اس دن سے ڈرو جس دن تم خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔" غیب سے آواز آئی آہستہ پڑھیے کیونکہ اس آیت کی ہیبت سے چار جن مر گئے ہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال سے نماز میں اتنا ہی قرآن پڑھا کہ نماز جائز ہو جائے۔ اس کے سوا قرآن کو نہ پڑھا اور نہ سنا۔ لوگوں نے پوچھا: کیوں؟ فرمایا: اس ڈر سے کہ وہ مجھ پر حجت بنے گا۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ایک روز حضرت شیخ ابوالعباس شقانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے۔ وہ اس وقت یہ آیت پڑھ رہے تھے: "اللہ تعالیٰ اس خرید کردہ غلام کی مثال دیتا ہے جو کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔" یہ آیت پڑھ کر وہ رونے لگے اور چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ میں نے خیال کیا کہ شاید اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں لیکن تھوڑی دیر بعد ہوش میں آ گئے۔ میں نے عرض کیا: یا شیخ! کیا حال ہے؟ فرمایا: گیارہ سال گزر گئے ہیں، میرا ورد یہیں تک پہنچا ہے، اس سے آگے میں نہیں جا سکتا۔

حضرت ابوالعباس عطار رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا: آپ روزانہ کتنا قرآن پڑھتے ہیں؟ فرمایا: پہلے تو دن رات میں دو قرآن ختم کرتا تھا۔ اب چودہ سال ہو گئے ہیں، صرف سورۂ انفال تک آن پہنچا ہوں۔ مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ حضرت ابوالعباس قصاب قاری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: قرآن پڑھیے۔ انھوں نے قرآن پڑھا: "اے یوسف عزیز مصر! ہم اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف پہنچی، ہم حقیر پونجی لے کر آئے ہیں۔" پھر کہا: آگے پڑھیے۔ انھوں نے پڑھا: "بھائیوں نے کہا اگر بنیامین نے چوری کی ہے تو بے شک پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے۔" پھر کہا: آگے پڑھیے۔ چنانچہ جب انھوں نے پڑھا: "آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تعالیٰ تمھیں بخشے۔" اس پر انھوں نے کہا: اے خدا! میں ظلم میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے بڑھ کر ہوں اور تو کرم میں حضرت یوسف علیہ السلام سے بڑھ کر ہے تو میرے ساتھ وہ کرم فرما جیسا حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا۔

ایک صحابی سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں ایسے کمزور مہاجرین میں سے تھا جنھوں نے اپنی بے پردہ پوشی بدنوں کو ایک دوسرے کے جسم کی آڑ میں چھپا رکھا تھا۔ ایک قاری قرآن پڑھ رہا تھا اور ہم سب سن رہے تھے۔ اتنے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہمارے پاس کھڑے ہو گئے۔ جب قاری نے حضور کو دیکھا تو وہ خاموش ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سلام کیا اور دریافت کیا کہ تم کیا کر رہے تھے؟ ہم نے عرض کیا ایک قاری قرآن پڑھ رہا تھا اور ہم سن رہے تھے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ ذات پاک لائق حمد ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے جن کا حکم مجھے دیا گیا ہے کہ میں ان کے ساتھ کچھ قیام کروں۔ چنانچہ حضور ہمارے درمیان بیٹھ گئے گویا حضور ہم میں ہی کے ایک برابر کے فرد ہیں۔ پھر آپ نے دست مبارک کا اشارہ فرمایا اور یہ جماعت حلقہ بنا کر بیٹھ گئی اور کوئی نہیں پہچان سکتا تھا کہ ان میں اللہ کا رسول کون ہے۔ حضور نے اپنے آپ کو کمزور صحابیوں کی مانند بنا لیا۔ پھر آپ نے فرمایا: اے صحابیوں کے کمزور درویشو! تمھیں پورے نور کی بشارت ہو کہ تم قیامت کے دن مالداروں سے آدھے دن پہلے داخل ہو گے جس کی مقدار پانچ سو برس ہوگی۔

اکابر صحابہ میں سے سیدنا زرارہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو نماز میں امامت کیا کرتے تھے، انھوں نے ایک آیت پڑھی تو چیخ نکل گئی اور اسی وقت ان کی روح پرواز کر گئی۔ اکابر تابعین میں سے حضرت ابو جعفر کے پاس حضرت صالح مری نے ایک آیت پڑھی تو انھوں نے نعرہ مار کر جان دے دی۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ میں کوفہ کے ایک دیہات میں جا رہا تھا۔ میں نے ایک بڑھیا کو دیکھا، وہ نماز پڑھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بزرگی کے آثار دیکھ کر میں رک گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ نماز سے فارغ ہوئی تو میں نے ان سے برکت حاصل کرنے کے لیے سلام عرض کیا۔ انھوں نے پوچھا قرآن جانتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ انھوں نے کوئی آیت پڑھنے کی ہدایت کی۔ میں نے جب آیت کی تلاوت کی تو ان کی چیخ نکل گئی اور روح دیدار الٰہی کے اشتیاق کے لیے چلی گئی۔

حضرت احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جنگل میں ایک جوان کو دیکھا جو ٹاٹ کی چادر اوڑھے کنوئیں کے کنارے پر کھڑا تھا۔ اس نے مجھے کہا: اے احمد! وقت آگیا ہے۔ میں کچھ سننا چاہتا ہوں تاکہ جان دے دوں۔ تم کوئی آیت سناؤ۔ فرماتے ہیں کہ خدا کی طرف سے مجھے القا ہوا کہ میں یہ آیت تلاوت کروں: "بے شک جنھوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے، پھر انھوں نے استقامت کی۔" اس نے کہا: اے احمد! رب کعبہ کی قسم! ابھی ابھی اسی وقت ایک فرشتے نے بھی یہی آیت پڑھی تھی۔ اتنا کہہ کر اس کی روح پرواز کر گئی۔

خوش الحانی

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں عرب کے ایک قبیلہ میں گیا اور ایک امیر کے مسافر خانہ میں اترا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ایک حبشی کو زنجیروں سے باندھ کر خیمے کے دروازہ پر دھوپ میں ڈالا ہوا تھا۔ میرے دل میں ترس آیا اور میں نے ارادہ کیا کہ اس کی سفارش امیر سے کروں۔ جب کھانے کا وقت آیا تو

میں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ یہ بات عربوں کے لیے انتہائی تکلیف دہ ہوتی ہے کہ کوئی کھانے سے انکار کرے۔ امیر نے پوچھا کہ اے اللہ کے بندے! کس وجہ سے تم نے میرے ہاں کھانے سے انکار کر دیا ہے۔ میں نے جواب دیا۔ تمہارے اس کرم سے مجھے تمہارے ساتھ ہے۔ اس نے کہا۔ میری ہر چیز کے مالک تم ہو اب آؤ تم میرا کھانا کھاؤ۔ میں نے کہا۔ مجھے تمہارے مال کی حاجت نہیں۔ البتہ اس غلام کو میری خاطر رہا کر دو۔ امیر نے کہا۔ مجھ سے پہلے اس کا جرم سن لو۔ اس کے بعد تم اس کو زنجیر سے کھلوا دینا۔ اس لیے کہ جب تم میرے مہمان ہو میری ہر چیز تمہاری ملکیت ہے۔ میں نے کہا۔ تو اس کا جرم کیا ہے۔ امیر نے کہا۔ یہ غلام بہترین گانے والا ہے اور خوب حدی پڑھتا ہے۔ میں نے اسے چند اونٹوں کے ساتھ اپنے کھیتوں میں بھیجا کہ وہ میرے لیے غلہ لے آئے۔ اس نے ہر اونٹ پر دو دو اونٹوں کے برابر غلہ لاد دیا اور حدی گاتا اور تیز چلاتا ہوا اونٹوں کو لے آیا۔ راستے میں اس کے گانے سے اونٹ مست ہو کر دوڑتے رہے اور چلتے رہے۔ جب انھیں یہاں لایا اور ان سے سامان اتارا گیا تو سب کے سب اونٹ مر گئے۔ وہ اونٹ پر جتنا بار میں نے کہا تھا اس سے دگنا ان پر لاد دیا گیا تھا۔ حضرت ابراہیم خواصؒ فرماتے ہیں کہ مجھے سخت تعجب ہوا اور میں نے امیر سے کہا "تمہاری شرافت سچ ہی کی گواہی ہوگی، لیکن اس کے لیے مجھے کوئی دلیل چاہیے"۔ ہم یہ باتیں کر رہے تھے کہ جنگل سے چند اونٹوں کو کنوئیں کے کنارے لائے۔ امیر نے پوچھا۔ کتنے دنوں سے اونٹوں نے پانی نہیں پیا۔ انھوں نے بتایا کہ تین دن سے۔ پھر اس نے حبشی غلام کو حکم دیا کہ اونٹ کی کیفیت کے مطابق حدی گائے۔ اس غلام نے حدی گانا شروع کیا تو اونٹ اس کی آواز سے ایسے مست ہوئے کہ پانی پینا بھول گئے اور بھاگ کر جنگل کی طرف نکل گئے۔ امیر نے غلام کو چھوڑ دیا۔

ملک ایران کا بادشاہ مر گیا۔ اس کا ایک دو سال کا بیٹا تھا جسے وزیروں نے جانشین بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ وزیر بزرجمہر سے کہا گیا تو اس نے اس فیصلے کی حمایت کی لیکن یہ کہا کہ پہلے بچے کو آزمانا چاہیے کہ اس کے حواس ٹھیک ہیں یا نہیں، تاکہ اس پر اعتماد کیا جا سکے۔ وزیروں نے کہا اسے کیسے آزمایا جائے؟ اس پر بزرجمہر نے کہا۔ گانے والوں کو بلایا جائے اور وہ اس کے سرہانے کھڑے ہو کر گائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ گانے کے دوران بچہ مسرور ہو گیا۔ ہاتھ پاؤں ہلانے لگ پڑا۔ بزرجمہر نے کہا یہ بچہ بادشاہت کا حقدار ہے۔ ہم اس پر اعتماد کر سکتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے پاس کچھ لڑکیاں گا رہی تھیں اتنے میں حضرت عمرؓ نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ لڑکیوں نے جب ان کی آہٹ سنی تو گانا بند کر دیا اور بھاگ اٹھیں۔ جب عمرؓ آئے تو حضورؐ مسکرانے لگے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مسکرانے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا۔ کچھ گانے والی لڑکیاں تمہاری آہٹ سن کر بھاگ گئیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا۔ میں ہرگز یہاں سے نہ جاؤں گا، جب تک حضورؐ نے جو کچھ سنا ہے میں اسے سن نہ لوں۔ پھر حضورؐ نے لڑکیوں کو بلایا، وہ گانے لگیں اور حضورؐ سماعت فرما رہے تھے۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی آواز میں لحن اور حلق میں ساز پیدا فرمایا اور آپ کی آواز تمام جانداروں پر گونج جاتی۔ جنگل اور پہاڑ کے تمام پرندے اور جانور آپ کی آواز سننے کو آ جاتے تھے۔ بہتا پانی اپنی جگہ رک جاتا اور پرندے ہوا میں اڑنے سے رک جاتے۔ یہ ضروری ہے کہ جنگل میں ایک مہینہ تک جو کچھ کھاتے نہ تھے اور جب بھی لوگ آپ کی مجلس سماع سے اٹھتے تو ان میں سے اکثر آپ کے لحن وصوت اور کلام سے گرویدہ ہوتے۔ ایک مرتبہ سات سو کنواری لڑکیاں مردہ پائی گئیں اور دس ہزار بوڑھے مر گئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آواز سننے والے اور طبع کی پیروی کرنے والے کو اہل حق اور حقیقت کے سمجھنے والے سے جدا کرے تو شیطان کے دل میں شدید گھبراہٹ پیدا ہوئی اور اس کے دل میں انسانوں کو دھوکہ دینے کا ارادہ پیدا ہوا۔ اس نے اپنے مکر و فریب کے اظہار کے لیے خدا سے اجازت مانگی۔ خدا نے اجازت دے دی۔ شیطان نے بانسری اور تنبورہ بنایا اور حضرت داؤد علیہ السلام کی مجلس سماع کے برابر میں اس نے بھی مجلس لگائی۔ لحن داؤدی سننے والوں کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک جنتیوں کا اور دوسرا جہنمیوں کا۔ جہنمی گروہ شیطان کے ساز کی طرف مائل ہو گیا اور جنتی گروہ حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز کے ساتھ برقرار رہا۔

حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے برصغیر میں ایک دفعہ ایک زہر پینے والا کیڑا دیکھا جس کی زندگی اسی زہر سے وابستہ تھی کیونکہ وہ خود سراپا زہر تھا۔ میں ترکستان کے ایک شہر میں اسلامی سرحد کے قریب تھا ایک پہاڑ میں آگ دیکھی۔ پہاڑ جل رہا تھا اور پتھر وہاں سے پگھلا ہوا نوشادر بہہ رہا تھا۔ اس آگ میں چوہے تھے انھیں جب باہر نکالتے تو وہ مر جاتے تھے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید سماع میں بہت مضطرب ہو جاتا تھا اور دوسرے اس کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ انھوں نے مرشد سے شکایت کی کہ ان کی توجہ تقسیم ہو جاتی ہے اور وہ یکسوئی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ نے اس مرید سے فرمایا کہ اب اگر تم سماع میں مضطرب ہوئے تو تمہیں اپنی صحبت سے نکال دوں گا۔ حضرت ابو محمد جریری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں سماع میں اس درویش کو دیکھ رہا تھا وہ ہونٹوں کو بھینچے خاموش بیٹھا رہا۔ پھر اس کے جسم کے ہر رونگٹے سے چشمہ جاری ہو گیا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ وہ پورا ایک دن بے ہوش رہا۔ اب میں نہیں جانتا کہ وہ درویش سماع میں زیادہ صحیح تھا یا اس کے دل میں مرشد کا زیادہ احترام تھا۔ مشائخ کرام بیان کرتے ہیں کہ سماع میں ایک شخص نے چیخ ماری۔ اس کے مرشد نے فرمایا۔ خاموش رہو۔ وہ شخص زانو پر سر رکھ کر جھک گیا۔ دیکھا کہ وہ مردہ تھا۔ حضرت شیخ ابو مسلم فارس بن غالب الفارسی سے حضرت داتا گنج بخشؒ نے سنا کہ سماع میں ایک درویش مضطرب تھا کسی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا، بیٹھ جا۔ وہ بیٹھتے ہی دنیا سے کوچ کر گیا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک درویش نے سماع میں جان دے دی۔ حضرت داتا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ابن العلاء کے ساتھ دجلہ کے کنارے جا رہا تھا۔ بصرہ اور رملہ کے درمیان ایک محل میں ہم آئے۔ وہاں ہم نے ایک نیک مرد کو دیکھا، اس کے آگے ایک لڑکی گا رہی تھی اور یہ شعر کہہ رہی تھی: تیرے ساتھ میری محبت اللہ کے لیے ہے اور تو ہر روز اس کے سوا جدا رنگ بدلتا ہے اور یہ واجب نہیں کہ تم ہر وقت کسی اور طبیعت پر ہو۔

اس وقت محل کے پیچھے میری نظر گئی۔ وہاں ایک جوان کھڑا ہاتھ میں چھاگل لیے ہوئے گدڑی اوڑھے کھڑا تھا۔ اس نے کہا اے کنیز! اس شعر کو دوبارہ پڑھو کیونکہ میرا دم گھٹ رہا ہے۔ شاید اس کے سننے سے میری روح نکل جائے۔ کنیز نے شعر دوبارہ پڑھا اور وہ بار بار پڑھتی رہی۔ اس جوان نے ایک چیخ ماری اور جان دے دی۔ محل کے مالک نے کنیز سے کہا تو آزاد ہے اور خود نیچے آیا۔ جوان کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گیا۔ بصرہ کے لوگوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ پھر محل کے مالک نے اعلان کیا کہ اے بصرہ کے لوگو! میں فلاں ابن فلاں کا بیٹا ہوں۔ میں نے اپنی تمام جائداد خدا کی راہ میں دے دی، غلاموں کو

تخیر یہ آزاد کر دیں۔ یہ کہہ کر وہ شخص بصرہ سے چلا گیا اور پھر کسی کو اس کی کوئی خبر نہ ملی۔

اکابر مشائخ میں سے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک درویش کے ساتھ بغداد بازار سے گزر رہا تھا۔ ایک گانے والے کی آواز آئی وہ گا رہا تھا۔ آپ سماع حق ہے تو تمنا اس سے پیشتر ہے ورنہ ہم سماع سے پیش اٹھانے میں اور وہ شخص اپنی خوشی کرنے لگے ہیں۔ میرے ساتھی درویش نے چیخ ماری اور دنیا سے رخصت ہو گیا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابراہیم خواص رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ سفر میں جا رہا تھا۔ ایک پہاڑی راستے میں میرا دل اچانک مسرت سے معمور ہو گیا اور میں نے یہ شعر پڑھا: "لوگوں کے لئے یہ بات ظاہر ہو گئی ہے کہ میں عاشق ہوں اور وہ یہ نہیں جانتے کہ میں کس پر عاشق ہوں۔ انسان کے دل میں کوئی چیز ایسی نہیں مگر اس میں سب سے اچھی چیز خوش اخلاقی ہے۔" حضرت ابراہیم خواص نے مجھ سے فرمایا کہ میں یہ شعر دوبارہ پڑھوں۔ میں نے شعر پڑھا تو انہوں نے عالم وجد میں زمین پر چند چکر لگائے۔ جب میں نے ان کے قدموں پر نظر ڈالی تو پتھر میں ان کے قدم اس طرح دھنس رہے تھے جیسے موم میں دھنستے ہیں۔ پھر وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ تھوڑی دیر بعد ہوش میں آ کر کہنے لگے میں جنت میں تھا۔

حضرت داتا صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے آذربائیجان کے پہاڑوں میں ایک درویش کو دیکھا جو گری ہوئی فکر میں ڈوبا ہوا تھا اور یہ شعر پڑھ کر آہ و زاری کر رہا تھا۔ خدا کی قسم سورج نہ طلوع ہوتا ہے اور نہ غروب ہوتا ہے مگر اس وقت میں جب تیری یاد میرے دل میں رہتی ہے۔ میں جب کسی کے پاس ان کی باتیں سننے کے لئے بیٹھا تو میں ان سے تیری ہی باتیں کرتا رہا۔ میں نے کھانا اور پینا بھی ترک کر دیا لیکن تیرا ہی تصور میرا ہر سانس ہے۔ میں جب پانی پینے کا ارادہ کرتا ہوں مگر پیالے میں تیرا ہی خیال دیکھتا ہوں۔ اگر میں تم تک پہنچنے کی قدرت رکھتا تو چہرے کے بل چل کر تیری زیارت کرتا۔ وہ درویش ان اشعار کے تاثر میں ایسا گم ہوا کہ ایک پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھا رہا اور بیٹھے بیٹھے دنیا سے کوچ کر گیا۔

حضرت ابوالحارث رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں سماع کا بہت شوقین تھا۔ ایک رات میرے حجرے میں ایک شخص آیا اور اس نے مجھ سے کہا، ابوالحارث! حق کے طالب ایک جگہ جمع ہوئے ہیں اور آپ کے دیدار کے مشتاق ہیں۔ اگر مہربانی فرما کر تشریف لے چلیں تو کرم ہو گا۔ میں اس کے ساتھ اس جگہ آیا جہاں ایک گروہ حلقہ بنائے ہوئے بیٹھا تھا۔ ان کا پیر ان کے درمیان تھا۔ سب نے میری عزت و توقیر کی اور ممتاز جگہ پر بٹھایا۔ پیر نے کہا اگر اجازت ہو تو کچھ شعر سنائیں۔ میں نے اجازت دی۔ دو شخص اٹھے اور خوش الحانی کے ساتھ ایسے شعر گانے لگے جو شاعروں نے جدائی کی حالت میں کہے ہیں۔ وہ سب وجد میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ نعرے لگانے اور لطیف اشارے کرنے لگے۔ میں ان کے حال پر حیران ہو گیا اور خوش بھی ہوا۔ صبح کے وقت میں جانے لگا تو اس پیر نے کہا، آپ نے یہ جاننا چاہا کہ میں کون ہوں اور یہ گروہ کن لوگوں کا ہے؟ میں نے کہا، آپ کی عظمت کے اثر کی وجہ سے پوچھنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اس پیر نے کہا، میں عزازیل ہوں جسے آپ ابلیس کہتے ہیں۔ یہ سب کے سب میرے بیٹے ہیں۔ اس جگہ بیٹھنے اور گانا سننے سے مجھے دو فائدے ہوتے ہیں۔ ایک یہ میں خود جدائی کی مصیبت میں ہوں اور لعنت کے دنوں کو یاد کرتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ متقی لوگوں کو راہ سے ہٹاتا ہے اور غلط راہ پر لگانے کا عمل میں جاری رکھتا ہے۔ حضرت ابوالحارث فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میرے دل سے سماع کا شوق مٹ گیا۔

ایک دن حضرت جنید، حضرت محمد بن مسروق اور حضرت ابوالعباس بن عطا رحمتہ اللہ علیہم ایک جگہ بیٹھے تھے جہاں قوال نے چند اشعار سنائے۔ دونوں وجد کرنے لگے اور حضرت جنید جامد و ساکت رہے۔ دونوں نے حضرت جنید سے کہا، اے شیخ! شاید آپ کا اس سماع سے کچھ حصہ نہیں۔ حضرت جنید نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول پڑھا "تم ان کو جامد گویا ٹھہرا ہوا گمان کرتے ہو، حالانکہ وہ گزرنے والے بادلوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔"

روشن کتابیں سب کے لیے

۱۔ بانگِ درا (حصہ اردو کلام) — علامہ اقبالؒ
۲۔ چاند، جنگل اور لڑکی (ناول) — اے حمید
۳۔ انقلاباتِ عالم — ادارہ تصنیف و تالیف
۴۔ پطرس کے مضامین — پطرس بخاری
۵۔ بالِ جبریل (حصہ اردو کلام) — علامہ اقبالؒ
۶۔ دوست بنو، دوست بناؤ — نسیم امروہوی
۷۔ رابنسن کروسو — اے حمید
۸۔ صندل کی آگ (ناول) — یونس ادیب
۹۔ ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں (سفرنامہ) — ابنِ انشا
۱۰۔ ضربِ کلیم (کلام) ارمغانِ حجاز (اردو کلام) — علامہ اقبالؒ
۱۱۔ نپولین کے خطوط — قاضی عبدالغفار
۱۲۔ کمال اتاترک — آغا اشرف
۱۳۔ آدھی بیوی (ناول) — اشتیاق احمد
۱۴۔ دنیا گول ہے (سفرنامہ) — ابنِ انشا
۱۵۔ قائدِ اعظم پر قاتلانہ حملہ — محمد حنیف شاہد
۱۶۔ آفتابِ مہران — ایم، ایس ناز
۱۷۔ گولڈ فنگر (ناول) — ترجمہ، احمد آرزو سعید
۱۸۔ محمد علی — ایک عظیم باکسر — یونس ادیب
۱۹۔ زندگی سے فائدہ اٹھایئے! — ترجمہ، کمال احمد رضوی
۲۰۔ ڈھاکہ سے فرار — اے حمید
۲۱۔ امامِ تصوف (حضرت جنید بغدادیؒ) — یونس ادیب
۲۲۔ قائدِ اعظم کے دستِ راست — محمد حنیف شاہد
۲۳۔ موت کا منظر — خواجہ محمد اسلام
۲۴۔ محبوبِ خدا کی دعائیں — خواجہ محمد اسلام
۲۵۔ جنت کا منظر (حصہ اوّل) — خواجہ محمد اسلام
۲۶۔ جنت کا منظر (حصہ دوم) — خواجہ محمد اسلام
۲۷۔ جنت کا منظر (حصہ سوم) — خواجہ محمد اسلام
۲۸۔ حسن پرستوں کے انجام کا منظر (حصہ اوّل) — خواجہ محمد اسلام
۲۹۔ حسن پرستوں کے انجام کا منظر (حصہ دوم) — خواجہ محمد اسلام
۳۰۔ آوارہ گرد کی ڈائری (سفرنامہ) — ابنِ انشا
۳۱۔ یہ آدمی خطرناک ہے — مقبول جہانگیر
۳۲۔ داتا علی ہجویریؒ — یونس ادیب
۳۳۔ چینی کہانیاں — محمد یونس حسرت
۳۴۔ قصہ ایک کنوارے کا — ابنِ انشا
۳۵۔ شاہ فیصل شہید — ترجمہ، عبدالکریم خالد
۳۶۔ چہرے اور کہانیاں — ایم، ایس ناز
۳۷۔ فخرِ ایشیا — یونس ادیب
۳۸۔ اُڑتے مجھ سے لگے — سید ضمیر جعفری
۳۹۔ گاؤں کی رانی / ایک معمولی لڑکی — کرشن چندر / راجندر سنگھ
۴۰۔ خود کو بھی موقع دیجیے! — ترجمہ، کمال احمد رضوی
۴۱۔ مجاہدِ اوّل — عبدالکریم خالد
۴۲۔ جنگل روتے ہیں (ناول) — اے حمید
۴۳۔ پاکستان اور تیسری دنیا — آغا اشرف
۴۴۔ منزلِ عشق — عبدالرحمٰن طارق
۴۵۔ لبیک (حصہ اوّل) — ممتاز مفتی
۴۶۔ لبیک (حصہ دوم) — ممتاز مفتی
۴۷۔ سی آئی اے اور جاسوسی کا جال — ترجمہ، سیف الدین حسام
۴۸۔ کے جی بی اور جاسوسی کا جال — ترجمہ، سیف الدین حسام
۴۹۔ [illegible] — ترجمہ، سیف الدین حسام
۵۰۔ سپنوں کی وادی — عاصم محمود
۵۱۔ عمر بن عبدالعزیزؒ — عابدی جعفری
۵۲۔ مرد جنس کے آئینے میں — سلیم اختر
۵۳۔ عورت جنس کے آئینے میں — سلیم اختر
۵۴۔ شادی، جنس اور جذبات — سلیم اختر
۵۵۔ کلام نرم و نازک — سلیم اختر
۵۶۔ کلیاتِ اکبر (حصہ اوّل) — محمد یونس حسرت
۵۷۔ کلیاتِ اکبر (حصہ دوم) — محمد یونس حسرت
۵۸۔ کلیاتِ اکبر (حصہ سوم) — محمد یونس حسرت
۵۹۔ وفا کی خوشبو (افسانے) — [illegible]
۶۰۔ تبلیغی نصاب (حصہ اوّل) — مولانا محمد زکریا صاحبؒ
۶۱۔ تبلیغی نصاب (حصہ دوم) — مولانا محمد زکریا صاحبؒ
۶۲۔ تبلیغی نصاب (حصہ سوم) — مولانا محمد زکریا صاحبؒ
۶۳۔ محبوبؐ کے حسن و جمال کا منظر (حصہ اوّل) — خواجہ محمد اسلام
۶۴۔ محبوبؐ کے حسن و جمال کا منظر (حصہ دوم) — ״
۶۵۔ محبوبؐ کے حسن و جمال کا منظر (حصہ سوم) — ״
۶۶۔ روشن معلومات — یونس ادیب

یہ روشن کتابیں آپ کے لیے ہیں، آپ کے پاس یہ تمام کتب موجود ہیں؟ اگر نہیں تو آج ہی اپنے قریبی بک سٹال / ہاکر سے طلب فرمائیں!

مطبوعاتِ شیخ غلام علی، ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور